فقرِ اقبالؒ
تصنیفِ لطیف
خادم سلطان الفقر
حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن
مدظلہ الاقدس

بسم اللہ الرحمن الرحیم
فقرِ اقبال
تصنیفِ لطیف
خادم سلطان الفقر
حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن
مدظلہ الاقدس

نام کتاب — فقرِ اقبالؒ

تصنیفِ لطیف — خادم سلطان الفقر
حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن
مدظلہ الاقدس

ناشر — سلطان الفقر پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور

پرنٹر — آر۔ٹی پرنٹرز لاہور

بارِاوّل — مارچ 2014ء

تعداد — 1000

قیمت — 300 روپے

ISBN: 978-969-9795-19-0

سُلطانُ الفقر پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور

سُلطانُ الفقر ہاؤس

4-5/A۔ایکسٹینشن ایجوکیشن ٹاؤن وحدت روڈ ڈاکخانہ منصورہ لاہور۔پوسٹل کوڈ 54790
Ph: 042-35436600, 0322-4722766
www.sultanulfaqrpublications.com
E-mail:sultanulfaqr@tehreekdawatefaqr.com

فہرست

حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ (1877ء-1938ء) عوام الناس اور اہلِ علم کی نگاہ میں ایک مفکر، فلسفی، دانشور اور شاعر ہیں اور آپ کی شہرت کی ایک وجہ آپ کا تصورِ پاکستان ہے جو اللہ تعالیٰ نے رازِ پنہاں سے باخبر اپنے اس بندے کے دِل پر اتارا۔ اقبال نے جب پورے برصغیر پر نظر ڈالی تو انہیں صرف ایک شخص محمد علی جناحؒ نظر آیا جو اس تصور کو حقیقت کا رنگ دے سکتا تھا اور وقت نے اقبال کے اِن دونوں فیصلوں کو صحیح ثابت کیا۔ عوام نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو حکیم الامت اور شاعرِ مشرق کے خطابات سے نوازا۔

درحقیقت اقبالؒ عارف تھے اور راہِ فقر پر چل کر فقر کی انتہا تک پہنچے۔ عارف اس شخص کو کہتے ہیں جو اسم سے مسمّٰی کو پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کرتا ہے اور عارف کی شان یہ ہے کہ وہ ہر لمحہ، ہر آن محبوب کے دیدار میں منہمک رہتا ہے۔ عارف ہر عالَم کا علم رکھتا ہے، عارف وہ ہے جو انوارِ الٰہی میں غرق ہو کر اسرارِ الٰہی کے موتی نکال لائے اور پھر اُن کو اللہ کی مخلوق میں تقسیم کرے، عارف عاشق ہے اور عاشق عارف ہے۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ کے راہِ فقر کے سفر کا آغاز اپنے والد کے ساتھ اور انتہا مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ہے۔ اس سلسلہ میں روایات ہیں کہ علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ سلسلہ قادری میں بیعت تھے، پروفیسر طاہر فاروقی نے سیرتِ اقبال میں تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

☆ ''عرصہ تک اس امر کا کسی کو علم نہ تھا کہ علامہ کسی سلسلہ تصوف سے وابستہ بھی تھے یا نہیں، عام طور پر خیال کیا گیا تھا کہ مرحوم ایسی کوئی نسبت نہیں رکھتے تھے لیکن سب سے پہلے اس راز کی عقدہ کشائی امیرِ ملت پیر جماعت علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے 1935 میں فرمائی تھی۔ حضرت نے ارشاد کیا! اقبال نے رازداری کے طور پر مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنے والد مرحوم سے بیعت ہوں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ:

اقبال کے والد کے پاس ایک مجذوب صفت سالک درویش آیا کرتے تھے وہ انہیں سے بیعت تھے ان کا سلسلہ قادریہ تھا۔[1]

☆ مکاتبِ اقبال میں خط نمبر 35 مولانا سلیمان ندوی کے نام ہے۔ اقبال لکھتے ہیں:

''یہی حال سلسلہ قادریہ کا ہے جس میں مَیں خود بیعت رکھتا ہوں۔''

☆ سید نذیر نیازی کے نام 4 جون 1929 کے خط میں اقبال تحریر فرماتے ہیں:

''تصوف لکھنے پڑھنے کی چیز نہیں، کرنے کی چیز ہے۔''

☆ مولانا شاہ سلیمان پھلواری کو 9 مارچ 1916ء میں اپنے ایک خط میں اقبال لکھتے ہیں:[2]

''حقیقی اسلام اور تصوف کا میں کیونکر مخالف ہو سکتا ہوں کہ خود عالیہ قادریہ سے تعلق رکھتا ہوں۔''

☆ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے ڈاکٹر نذیر صوفی نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ اُن کے ماموں اقبالؒ اور نانا شیخ نور محمدؒ سیالکوٹ کے ہی ایک مجذوب سالک بزرگ سائیں عبداللہ شاہ قادری کے مرید اور مراد تھے۔[3]

سائیں عبداللہ شاہ کا شجرہ طریقت حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے بہت روحانی فیوض و برکات پائیں اس لیے اپنے والد کو انہوں نے ''پدر و مرشد اقبال'' کے خطاب سے یاد کیا ہے۔

☆ مولانا ندوی لکھتے ہیں:

اقبال اگر اکابر تصوف کو نہ جانتے تو وہ مولانا رومؒ کے گرویدہ کیوں ہوتے وہ قادریہ خاندان میں مرید تھے۔[4]

---

[1] محمد جہانگیر تمیمی، اقبال صاحبِ حال صفحہ 274 بارِ اوّل 2010 [2] سید نذیر نیازی، مکتوباتِ اقبال اقبال اکادمی 1977۔ صفحہ 10۔ [3] [4] محمد جہانگیر تمیمی، اقبال صاحبِ حال بارِ اوّل 2010۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو اصل روحانی فیض مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی روحِ مبارک سے ملا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو ''مریدِ رومیؒ'' ''مریدِ ہندی'' اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو ''پیرِ رومیؒ'' کے خطابات سے یاد کرتے ہیں لیکن یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ (604 تا 672ھ) علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ سے بہت پہلے کا ہے تو پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اُن سے فیض کیسے حاصل ہوا؟ محققین اس سلسلہ میں بیان کرتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی سے بہت متاثر ہوئے اور یہی اثر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں نظر آتا ہے لیکن راہِ فقر سے واقف عارفین یہ جانتے ہیں کہ فیض اس طرح نہیں مل جایا کرتا اور عارف کی کتب کو سمجھنا اتنا آسان بھی نہیں ہوتا۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عارف دی گل عارف جانے، کی جانے نفسانی ھُو

ترجمہ: عارف کی بات عارف سمجھ سکتا ہے، نفسانی انسان عارف کی بات سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

یعنی عارف کی بات سمجھنے کے لیے خود عارف ہونا ضروری ہے۔ پھر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے اتنا فیض کیسے ملا کہ وہ عارف کامل ہو گئے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ رسالہ روحی شریف میں فرماتے ہیں ''اگر کسی کو مرشد کامل نہ ملتا ہو تو ہماری کتاب کو (صدق سے) وسیلہ بنائے تو یہ اس کے لیے مرشد کامل ہے اور اگر وہ اسے وسیلہ نہ بنائے تو اُسے قسم ہے اور اگر ہم اسے مقصود تک نہ پہنچائیں تو ہمیں قسم ہے۔ اگر راہِ سلوک (راہِ فقر) کا طالب (سالک) پناہ چاہے تو اسے (کتاب) مضبوطی سے تھام لے تو میں اسے روشن ضمیر اور زندہ دل بنا دوں گا۔'' مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ ایک عارفِ کامل تھے اور مثنوی مولانا رومؒ کے بارے میں مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

مثنوی مولویؒ معنوی ہست قرآن در زبانِ پہلوی

ترجمہ: رومیؒ کی مثنوی معنوی فارسی میں قرآن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب اقبالؒ مثنوی معنوی میں گم ہو گئے اور اُسے ایک طالبِ مولیٰ کی طرح مضبوطی سے تھام لیا تو مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کی روح نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو فیض سے نواز دیا کیونکہ عارف کی کتاب یا کتب کو اگر عشق و ادب سے پڑھا جائے تو حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق عارف اُسے فیض سے نواز دیتا ہے یا اس کی رہنمائی مرشد کامل کی طرف کر دی جاتی ہے اور اقبالؒ کے ساتھ بھی یہی ہوا اور یہ بات آپ رحمتہ اللہ علیہ کی شاعری سے ظاہر ہے کیونکہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا رومؒ کو بڑے ادب سے اپنا مرشد کہا ہے۔

آپ کے راہِ فقر کے سفر کی ابتدا سے لے کر انتہا تک جو کلام آپ کی زبان سے ادا ہوا وہ الہامی ہے کیونکہ عارف کا کلام ہوتا ہی الہامی ہے آپ خود فرماتے ہیں:

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ دورنِ میخانہ

عارف کی تعلیمات درحقیقت قرآن و حدیث کی تعلیمات ہی ہوتی ہیں جو لکیر کے فقیر علماء سو کو سمجھ نہیں آتیں، اس لیے اقبال پر اب تک ''اقبال اور قرآن'' اور ''اقبال و حدیث'' کے عنوان سے ضخیم کتب شائع ہو چکی ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ زمانہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کو قرآن و حدیث کا عالم سمجھتا ہے۔ عارف کی تعلیمات ہمہ جہت ہوتی ہیں اور نہ صرف زندگی کے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں بلکہ دین کے ہر پہلو کو عوام کے سامنے اُن کی اپنی زبان میں کھول کر رکھ دیتی ہیں۔ عارف کی تعلیمات کو ہر کوئی اپنے اندازِ فکر کے مطابق گمان کرتا اور سمجھتا ہے اور اسی گمان، علم اور عقل کے مطابق اس کی شرح کرتا اور بیان کرتا ہے اسی لیے آج کل ہر گروہ، جماعت اور فرقہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی شاعری کو اپنے مقاصد کے لیے اپنی اپنی سمجھ اور گمان کے مطابق اپنی تقاریر اور تحاریر میں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے زورِ بیان کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر اب تک اندرون اور بیرونِ ملک بہت تحقیق ہو چکی ہے اور کئی یونیورسٹیوں میں آپ کی تعلیمات پر تحقیقی مقالہ جات پر ڈاکٹریٹ (Ph.D) کی ڈگری دی جارہی ہے اور بہت سی یونیورسٹیوں میں اقبال چیرز (Iqbal Chairs) بھی قائم ہو چکی ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر اب تک جو کتب اور مضامین ہماری نظر سے گزرے ہیں اُن کے عنوانات اور موضوعات اس طرح سے ہیں:

☆ اقبال اور قرآن ☆ اقبال کا قرآنی اندازِ فکر ☆ اقبال اور حدیث ☆ اقبال اور عشقِ رسول ☆ اقبال اور اہلِ بیتؓ ☆ اقبال اور محبتِ صحابہؓ ☆ اقبال اور محبتِ علیؓ ☆ اقبال کا تصورِ قدر و قضا ☆ اقبال کا تصور اجتہاد ☆ اقبال اور مسلم تہذیب کا احیا اور اجتہاد ☆ اقبال کا تصورِ موت و حیات ☆ اقبال اور فکری انقلاب ☆ اقبال اور روحانی جمہوریت ☆ اقبال اور اسلامی عقائد ☆ اقبال اور اتحادِ امت ☆ ملتِ اسلامیہ اور فکرِ اقبال ☆ اقبال بطورِ مجدد ☆ اقبال بطور مجتہد ☆ اجتہاد اور اقبال ☆ اقبال اور اولیاء کرام ☆ اقبال اور وحدت الوجود ☆ اقبال اور مسئلہ قومیت ☆ اقبال صاحبِ حال ☆ اقبال اور تصوف ☆ اقبال اور تصورِ پاکستان ☆ اقبال بطور شاعر ☆ اقبال بطور مینجمنٹ سکالر ☆ اقبال اور مغرب کا نظامِ معیشت ☆ اقبال اور سرمایہ داری نظام ☆ اقبال اور سوشلزم (اشتراکیت) ☆ اقبال اور ابلیسیئت ☆ اقبال اور انسان ☆ اقبال کی پیش گوئیاں ☆ اقبال اور اقوامِ متحدہ ☆ اقبال کے آفاقی تصورات ☆ اقبال اور اسلام کا نظریہ حیات ☆ اقبال اور اسلام کا معاشی نظام ☆ اقبال کا تصورِ ملتِ اسلامیہ ☆ اقبال اور اسلام کا نظریہ سیاست ☆ اقبال اور نشاۃ ثانیہ ☆ اقبال اور مزدور ☆ اقبال اور مسلم نوجوان ☆ اقبال وطنی قومیت کے مخالف ☆ اقبال مغربی طرزِ فکر کے مخالف ☆ اقبال اور فقراء ☆ اقبال اور توکل و استغنا۔

اس کے علاوہ بے شمار موضوعات پر اقبال کی تعلیمات اور شاعری پر تحقیق ہو چکی ہے۔ لیکن ہم نے اُس موضوع پر قلم اٹھایا ہے جس راہ پر چل کر اقبال' اقبال بنے اور وہ راہ، فقر کی راہ ہے۔ اس راہ پر

طالبِ مولیٰ کی حیثیت سے آغاز اور مردِ مومن (انسانِ کامل، فقیرِ کامل) کی حیثیت سے انتہا ہوتی ہے۔ یہ لوگوں کے لیے اس لحاظ سے نیا موضوع ہے کہ خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد مسلمانوں کی سربراہی اُن عقلی گروہوں کے ہاتھ آگئی جو قربِ الٰہی کی اس اصل اور حقیقی راہ کو شرک سمجھتے ہیں اور ہم دینِ حقیقی کو بھول کر خرافات میں کھو چکے ہیں جس کی وجہ سے دِن بدن زوال کی دلدل میں دھنستے جا رہے ہیں۔

یہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر ایک نئی طرز کی تحقیق ہے جو فقر کی منازل اور مقامات کے مطابق ترتیب دی گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس طرح کی تحقیق اقبالؒ کے کلام پر ابھی تک نہیں ہوئی۔

امید ہے اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے راہِ فقر پر چلنا پسند کریں گے کیونکہ اصل دین یہی ہے، جس نے بھی اللہ کو پایا اسی طریقہ اور راہ سے پایا۔ اقبال نے بھی اپنے کلام میں جا بجا یہی راہ اختیار کرنے پر زور دیا ہے اور اُن کا مدعا بھی یہی ہے کہ اُس انتہا تک پہنچا جائے جہاں ''میں'' اور ''تو'' کا فرق مٹ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس راہ پر چلنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ (آمین)

موجودہ دور انگلش ذریعہ تعلیم کا دور ہے۔ نوجوان نسل انگلش ذریعہ تعلیم کی وجہ سے اردو سے تقریباً اجنبی ہوتی چلی جا رہی ہے اور میں نئی نسل کے لیے اردو لکھنا اور پڑھنا بڑا مشکل ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے اقبالؒ کی شاعری میں مشکل اردو الفاظ کو سمجھنا اُن کے لیے ناممکن ہے اسی بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے حواشی میں مشکل الفاظ کا آسان اردو ترجمہ دیا گیا ہے تاکہ شعر کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

عاجز!

محمد نجیب الرحمٰن سروری قادری

عارفین اپنی تعلیمات کو ''فقر'' کا نام دیتے ہیں۔ سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ رسالۃ الغوثیہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا ''اے غوث الاعظم اپنے اصحاب اور احباب سے کہہ دو کہ اگر وہ میری صحبت چاہتے ہیں تو فقر اختیار کریں۔'' آپ رضی اللہ عنہٗ کا ایک فرمان یہ بھی ہے کہ ''میری زینت فقر ہے''۔ اسی طرح سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تعلیمات کو نہ تصوف اور نہ ہی طریقت بلکہ ''فقر'' کا نام دیا ہے۔ اقبالؒ نے بھی اپنی تعلیمات کے اظہار کے لیے اپنی شاعری میں ''فقر'' کی اصطلاح ہی استعمال فرمائی ہے۔

عرفِ عام میں فقر افلاس، تنگدستی اور عسر کی حالت کو کہتے ہیں، اس کے لغوی معنی احتیاج کے ہیں لیکن عارفین کے نزدیک فقر سے مراد وہ منزلِ حیات ہے جس کے متعلق سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نے فرمایا:

- اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ ○
- ترجمہ: فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے۔
- اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ فَافْتَخِرُّ بِہٖ عَلٰی سَائِرِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ ○
- ترجمہ: فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے۔ اور فقر ہی کی بدولت مجھے تمام انبیاء و مرسلین پر فضیلت حاصل ہے۔
- اَلْفَقْرُ کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ اللّٰہِ تَعَالٰی ○
- ترجمہ: فقر اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ فقر کے بارے میں فرماتے ہیں:

- فقر عین ذاتِ پاک ہے۔ (عین الفقر)
- فقر دیدارِ الٰہی کا علم ہے۔ (عین الفقر)
- جو شخص اللہ اور اس کا دیدار چاہتا ہے وہ فقر اختیار کرے۔ (عین الفقر)
- فقر سِرِّ الٰہی ہے۔ (عین الفقر)
- تمام پیغمبروں نے فقر کے مرتبے کی التجا کی' لیکن نہیں ملا۔ صرف سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل ہوا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی امت کے سپرد کیا۔ یہ فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محض فیض ہے۔

(امیر الکونین)

- تمام انبیاء کرام علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مرتبہ فقر کے حصول اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا امتی ہونے کی التجا کرتے رہے لیکن انہیں یہ مراتب حاصل نہ ہو سکے۔ جسے بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ کی حضوری نصیب ہوئی اُس نے فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنا رفیق بنایا کیونکہ مرتبہ فقر سے بڑھ کر بلند و قابلِ فخر مرتبہ نہ کوئی ہے اور نہ کوئی ہوگا۔ فقر دائمی زندگی ہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)
- علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فقر کے بارے میں فرماتے ہیں:

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ ''روحِ قرآنی''

خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو ''سلطانی''

یہی مقام ہے مومن کی قوّتوں کا عیار
اسی مقام سے ہے آدم ''ظلِّ سبحانی''

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فقر کے بارے میں فرماتے ہیں:

1۔ نظر فقرش گنج قدمش گنج بر
فقر لایحتاج شُد صاحبِ نظر

2۔ فقر بگذرد ازہر مقامِ خاص و عام
شرطِ شرح فقر را کردم تمام

3۔ عین باعین است عین از عین یافت
عین را باعین عارف عین ساخت

روحِ قرآنی۔ یہاں روحِ قرآنی سے مراد ذاتِ حق تعالیٰ ہے۔

خودی۔ انسان کا باطن

قاہری۔ طاقت، زور، باطنی قوت

سلطانی ۔ اقبالؒ کی شاعری میں سلطان سے مراد انسانِ کامل یا فقیرِ کامل ہے جس میں ذاتِ حق تعالیٰ کا تمام نور اور قوتیں جلوہ گر ہیں، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (الرحمٰن۔33) ترجمہ: اے گروہ جن وانس! اگر تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ زمین اور آسمانوں کے کناروں سے باہر نکل سکو تو تم نکل جاؤ۔ ہرگز نہ نکل سکو گے سوائے سلطان کے۔

عیار۔ کسوٹی، کھرا اور کھوٹا جانچنے والا پتھر

ظلِّ سبحانی۔ اللہ کا عکس یا آئینہ۔ مراد وہ انسانِ کامل یا فقیرِ کامل جو ذاتِ حق تعالیٰ کا حقیقی مظہر اور نائب ہے۔

ترجمہ: (1) فقر کی نظر بھی خزانہ ہوتی ہے اور اس کے قدموں میں بھی خزانہ ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ لایحتاج یعنی ہر حاجت اور ضرورت سے بے نیاز رہتا ہے۔ (2) فقر کی کامل تعریف یہ ہے کہ فقر تمام مراتبِ خاص سے بہت آگے کا مرتبہ ہے۔ (3) فقر عین بعین ہونے اور عین سے عین پانے کا نام ہے عارف جب عین بعین ہو جاتا ہے تو خود کو عین بنالیتا ہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)

باھُوؒ فقر دانی چیست دائم در لاھُوت
فقر را بہتر بود ہر دم سکوت

ترجمہ: اے باھُوؒ! فقر کو تو کیا سمجھتا ہے؟ فقر ہر دم لاھُوت میں رہنے کا نام ہے اور اس کے لئے دائمی سکوت چاہیے۔

فقر شاہے ہر دو عالم بے نیاز و باخدا
احتیاجش کس نہ باشد مدِ نظرش مصطفیٰ

ترجمہ: فقر ایک بادشاہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہونے کی بنا پر دونوں جہان سے بے نیاز ہے اسے کسی کی پرواہ نہیں کہ وہ ہر وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدِ نظر رہتا ہے۔ (محک الفقر کلاں)

راہِ فقر فیض است فیض عام
راہِ دنیا شرک است مطلق تمام
ترکِ دنیا دہ بیا راہِ خدا
فقر راہِ ہدایت ہادی مصطفیٰ

ترجمہ: راہِ فقر فیضِ ربانی ہے بلکہ فیضِ عام ہے جبکہ راہِ دنیا سراسر مطلق شرک ہے۔ راہِ دنیا کو ترک کر کے راہِ فقر اختیار کر لے کہ راہِ فقر ہدایت ہے جس کے ہادی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ (محک الفقر کلاں)

جاودانی التجائی بافقر باشد تمام
احتیاج از کس نہ باشد فقر لایحتاج نام

ترجمہ: فقر جب کامل ہو جاتا ہے تو اسے التجا والتماس کی حاجت قطعاً نہیں رہتی اور نہ وہ کسی سے غرض رکھتا ہے کہ اس کا نام ہی لایحتاج فقر ہے۔ (محک الفقر کلاں)

فقر از نور است نور از نور شد

قلب قالب نور و جان مغفور شد

ترجمہ: فقر نور سے ہے، نور سے نور ہوا۔ (راہِ فقر کے سالک کا) قلب اور قالب (جسم) نور اور روح مغفرت شدہ ہے۔ (قربِ دیدار)

فقر سرّی از خدا اسرار راز

باحضوری قلب قالب بانماز

ترجمہ: فقر کے اسرار خدا کے اسرار ہیں۔ فقر سے حاصل ہونے والی دِل کی حضوری کی وجہ سے تمام جسم (ظاہر باطن) نماز میں ہے۔ (قربِ دیدار)

1۔ فقر سِرّ از رازِ وحدت حق نظر
فقر خاص الخاص از حق باخبر

2۔ نیست فقرش بازمین و آسمان
فقر را فقرش شناسد ازعیان

3۔ فقر بحرِ فیض و فضلش کرم وجود
روز و شب فقرش بود باحق سجود

4۔ باھُوؒ! برکاتِ فقر از ذاتِ جو
ہرچہ باشد غیر حق از دِل بشو

ترجمہ: ا۔ فقر وحدت کا راز ہے۔ فقر کی نظر ہمیشہ حق پر رہتی ہے، خاص الخاص فقر وہ ہے جو ذاتِ حق سے باخبر ہو۔ ۲۔ فقر کی سمائی زمین اور آسمان میں نہیں۔ فقرِ عیاں کو فقیر ہی پہچان سکتا ہے۔ ۳۔ فقر فیض وفضل اور جود وکرم کا دریا ہے فقر رات دِن ذاتِ حق کے سامنے سربسجود رہتا ہے۔

۴۔اے باھُوؒ! برکاتِ فقر کو ذاتِ حق میں تلاش کر، جس چیز کا تعلق غیر حق سے ہو اُسے اپنے دِل سے نکال دے۔ (محک الفقر کلاں)

فقر را دریاب بہ یک دم قدم
ابتدا و انتہا فقرش ختم

ترجمہ: اے طالبِ مولیٰ دولتِ فقر کو ایک ہی دم میں اور ایک ہی قدم پر حاصل کر لے کہ ابتداء اور انتہائے فقر کو ایک ہی دم پر طے کیا جاسکتا ہے۔ (محک الفقر کلاں)

فقرِ اختیاری اور فقرِ اضطراری

کچھ لوگ فقر مجبوری کی حالت میں یا لوگوں کو دھوکہ دینے اور مال اکٹھا کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں کہ وہ زندگی میں کچھ حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہی زندگی کے کسی شعبہ میں کامیاب ہو سکتے ہیں اس لیے ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لیے کسی صاحبِ فقر کی بارگاہ میں پہنچ کر فقر کی چادر اوڑھ لیتے ہیں مقصد اُن کا دیدارِ الٰہی نہیں' دنیا ہوتا ہے۔ یا کسی دنیوی پریشانی، تکلیف اور بیماری سے گھبرا کر یا جذباتی ہو کر فقر کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یا کسی ولیٔ کامل (صاحبِ فقر) کی وفات کے بعد اس کی خانقاہ کی گدی نشینی اختیار کرنے والے ہیں۔ عموماً یہ لوگ صاحبِ مزار کی اولاد میں سے ہوتے ہیں یہ صاحبِ قال ہوتے اور فقر کی حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں مقصدِ زندگی صرف مزار کی آمدنی تک یا صاحبِ مزار کے مریدوں کے نذرانے تک محدود ہوتا ہے، یا پھر مشائخ بن کر مقامِ عزّ وجاہ' کوئی حکومتی عہدہ اور اثر ورسوخ مقصود ہوتا ہے۔ ایسے فقر کو ''فقرِ اضطراری'' کہتے ہیں اقبالؒ نے اسی فقر کے بارے میں کہا ہے:

میں ایسے فقر سے اے اہلِ حلقہ باز آیا
تمہارا فقر ہے بے دَولتی و رنجوری

- حذر! اس فقر و درویشی سے، جس نے
مسلماں کو سکھا دی سربزیری

- خوددار نہ ہو فقر تو ہے قہرِ الٰہی
ہو صاحبِ غیرت تو ہے تمہیدِ امیری

- جو فقر ہوا تلخیٔ دوراں کا گِلہ مند
اُس فقر میں باقی ہے ابھی بُوئے گدائی

- کِسے نہیں تمنائے سروری، لیکن
خودی کی موت ہو جس میں سروری کیا ہے!

- مقامِ فقر ہے کتنا بلند، شاہی سے
روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے!

کچھ بندگانِ حق خواہ وہ بادشاہ، امیر، حاکم، دولت مند، دنیا میں معروف، غیر معروف یا غریب ہوں لیکن صرف دیدارِ الٰہی کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر فقر اختیار کرتے ہیں اُن کا مقصود صرف دیدارِ الٰہی ہوتا ہے۔ وہ سارا عالم چھوڑ کر کوئے یار کو اپنا بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں ''ہمارے لیے اللہ

بے دولتی۔ دولت سے محرومی

رنجوری۔ غم و رنج

حذر۔ بچ

سربزیری۔ دوسروں کے آگے سر جھکانا یعنی غلامی

تمہید۔ شروع۔ آغاز

تلخیٔ دوراں۔ زمانے کی سختی

بوئے گدائی۔ بھیک مانگنے کی عادت

سروری۔ سرداری

شاہی۔ بادشاہت، دنیا کی حکمرانی

روش۔ طریقہ، چال، انداز

گدایانہ۔ بھکاریوں جیسی

ہی کافی ہے۔'' وہ اللہ سے اللہ کو ہی مانگتے ہیں اس مقصد کے لیے وہ اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور فقیر ہوتے ہیں، انہی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''اللہ غنی ہے اور تم فقیر ہو۔'' یہ فقرِ اختیاری ہے۔ فقرِ اختیاری کے لیے دِل کو دنیا، خواہشاتِ دنیا سے بے رغبت کرنا ضروری ہے۔ فقرِ اختیاری اور فقرِ اضطراری میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ فقرِ اضطراری روح کی موت کا باعث بنتا ہے جبکہ فقرِ اختیاری سے روح کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ فقرِ اختیاری والا انسان ذلیل وخوار ہوتا ہے مگر فقرِ اختیاری انسان کو وہ شوکت وقوت عطا کرتا ہے کہ پوری کائنات اس کے تصرف میں دے دی جاتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی فقر کو اپنا فخر قرار دیا ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:

❁ واضح رہے کہ فقر دو قسم کا ہے ایک اختیاری دوسرا اضطراری۔ فقرِ اختیاری اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّی (فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے) ہے۔ اس کے دو مراتب ہیں ایک خزانہ دِل کا تصرّف اور عنایت اور تمام دنیاوی خزانوں کا تصرف دوسرے ہدایت، معرفت اور قربِ الٰہی۔ فقرِ اضطراری والا در بدر بھیک مانگتا پھرتا ہے (اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی بجائے لوگوں سے مال اکٹھا کرتا ہے) اور عنایتِ حق سے محروم رہتا ہے فقرِ اضطراری ہی فقرِ مکب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ فَقْرِ الْمُکِبِّ ترجمہ: ''میں منہ کے بل گرانے والے فقر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں''۔ فقرِ اختیاری اسمِ اَللّٰہُ ذات اور قربِ حضور پر مبنی ہے۔ (امیر الکونین)

علامہ اقبالؒ اصل دین فقر کو ہی قرار دیتے ہیں آپؒ کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصل میراث فقر ہے۔ آپؒ فقر کے بارے میں فرماتے ہیں:

جب تک مومن فقر کے مقام تک نہ پہنچے وہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی صفات کا حامل نہیں ہو سکتا۔

سوچا بھی ہے اے مردِ مسلمان کبھی تُو نے
کیا چیز ہے فولاد کی شمشیرِ جگردار
اس بیت کا مصرع اوّل ہے کہ جس میں
پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار
ہے فکر مجھے مصرعِ ثانی کی زیادہ
اللہ کرے عطا تجھ کو ''فقر'' کی تلوار
قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا خالدؓ جانباز ہے یا حیدرِ کرارؓ

جب مسلمانوں نے فقر کی دولت گنوادی تو اُن کا زوال شروع ہو گیا۔

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

فولاد۔ مضبوط ترین دھات
شمشیر۔ تلوار
جگردار۔ جگر رکھنے والا، شیر دِل، بہادر
بیت۔ شعر
مصرع اوّل۔ پہلا مصرع
پوشیدہ۔ چھپے ہوئے
توحید کے اسرار۔ توحید کے راز۔ پہلے بیت کا پہلا مصرع ''سوچا بھی ہے اے مردِ مسلماں تو نے'' ہے۔ اِس مصرع میں ''مردِ مسلماں'' وہ ذات ہے جس میں ''توحید کا راز'' یعنی اللہ کی ذات چھپی ہے۔
مصرع ثانی۔ دوسرا مصرع جس میں شمشیرِ جگردار کا ذکر ہے۔ 'فقر' وہ شیر دِل تلوار ہے جس سے انسان اپنے نفس کا گلا کاٹ کر ہر غیر ماسویٰ اللہ سے نجات حاصل کر لیتا ہے، اقبالؒ کو اس کی فکر زیادہ اس لیے ہے کہ فقر اب عام نہیں رہا۔ مسلمان فقر سے محرومی کی وجہ سے اللہ سے دور ہیں اور غیر قوموں (غیر اللہ) کے غلام بن کر جی رہے ہیں۔

یہ فقر مردِ مسلماں نے کھو دیا جب سے
رہی نہ دولت سلمانیؓ و سلیمانیؑ

پھر آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر جہانبانی حاصل کرنی ہے تو پہلے فقر کی دولت حاصل کرنا پڑے گی:

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ ''فقر''
جس ''فقر'' کی اصل ہے حجازی
اُس ''فقر'' سے آدمی میں پیدا
اللہ کی شان بے نیازی
یہ ''فقرِ غیور'' جس نے پایا
بے تیغ و سناں ہے مردِ غازی
مومن کی اسی میں ہے امیری
اللہ سے مانگ یہ فقیری

آپ رحمتہ اللہ علیہ مستقبل سے مایوس نہیں ہیں' بلکہ آپ مستقبل کے بارے میں نوید دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اب تیرا دور بھی آنے کو ہے اے ''فقرِ غیور''
کھا گئی روحِ فرنگی کو ہوائے زر و سیم

دولت سلمانیؓ۔ حضرت سلمان فارسیؓ جیسی زہد و تقویٰ عبادت گزاری اور فقر و عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دولت۔

سلیمانیؑ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسی حکمرانی۔

یعنی فقر کو کھو کر مسلمانوں نے دین و دنیا' دونوں کی حکمرانی اور شان کو کھو دیا اور ذلیل و خوار ہو گئے۔

حجازی۔ حجاز عرب کا وہ علاقہ ہے جو مکہ اور مدینہ پر مشتمل ہے اور حجازی سے مراد اس علاقہ کا باشندہ یا اس علاقہ سے تعلق رکھنے والی شے ہے۔ اصطلاحاً آقا پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ورثہ فقر مراد ہے۔

بے تیغ و سناں۔ تلوار اور ڈھال کے بغیر

فقرِ غیور۔ غیرت رکھنے والا فقر' جو کسی غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکتا۔ مراد فقرِ اختیاری

روحِ فرنگی۔ یورپی اقوام کی تقلید کے باعث آج کے نام نہاد مسلمانوں میں پیدا ہونے والی فرنگی روح

ہوائے زر و سیم۔ مال و دولت کی ہوس

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یورپ کو اسلام کے نام سے دشمنی ہے تو اسلام کا دوسرا نام فقر ہے اور یہی اصل اسلام ہے۔

لفظِ ''اسلام'' سے اگر یورپ کو کِد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے فقرِ غیور

فقر میدانِ جنگ میں بے سروسامان آتا ہے' کیونکہ اُس کے پاس قلبِ سلیم کی دولت ہوتی ہے اور قلبِ سلیم دیدارِ الٰہی کے بعد میسر آتا ہے۔

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
ضرب کاری ہے' اگر سینے میں ہے قلبِ سلیم
اس کی بڑھتی ہوئی بے باکی و بے تابی سے
تازہ ہر عہد میں ہے قصۂ فرعون و کلیمؑ

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
عشق ہو جس کا جسور' فقر ہو جس کا غیور

فقر کی انتہا پر مومن اس وقت پہنچتا ہے' جب وہ ''خودی کا محرم'' ہو جاتا ہے اور خودی کیا ہے؟ خدائی!

محرم خودی سے جس دم ہوا فقر
تو بھی شہنشاہ' میں بھی شہنشاہ

فقر کے بارے میں علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

کِد۔ کدورت، نفرت، کینہ

غیور۔ غیرت مند، اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکنے والا

جنگاہ۔ جنگ کا میدان

بے ساز و یراق۔ جنگی ہتھیار اور رسد کے بغیر

کلیمؑ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقب

خوار۔ ذلیل و رسوا

جسور۔ دلیر، ہمت والا، بہادر

محرم۔ رازدار۔ ہمراز

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پر تیغِ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ

اک فقر سکھاتا ہے صیّاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرارِ جہانگیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیتِ اکسیری
اک فقر ہے شبیریؓ اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی' سرمایہ شبیریؓ

اگر چہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسّر' تونگری سے نہیں

سان۔ تلوار کی دھار تیز کرنے والا پتھر یا آلہ
ضرب۔ وار، چوٹ
کارِ سپاہ۔ پوری فوج کا کام
صیّاد۔ شکاری
نخچیری۔ شکار ہو جانا
اسرار۔ راز، بھید
جہانگیری۔ دنیا فتح کرنا
مسکینی۔ عاجزی
دلگیری۔ دکھی، غم زدہ ہونا۔
خاصیتِ اکسیری۔ مٹی کو سونا بنانے کی خاصیت

یعنی عام انسان کو خاص اور کامل بنانے کی قوت
میراثِ مسلمانی۔ ایسا فقر مسلمانوں کیلئے انکے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے وراثت ہے۔
شبیریؓ۔ شبیر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کا لقب ہے۔
یعنی فقر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کی طرح باطل قوتوں، خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، کے خلاف جہاد کی قوت دیتا ہے۔
زر۔ سونا، دولت
قاضی الحاجات۔ ضرورتیں پوری کرنے والا
تونگری۔ دولت مندی

سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں میرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے، تونگری سے نہیں

✿ نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی

یعنی حکمران اسلحہ کی بدولت علاقہ فتح کرتا ہے اور صاحبِ فقر نگاہ سے دلوں کو فتح کرتا ہے۔

اس شعر میں آپ بادشاہ اور فقر (فقیر) کے فرق کو بیان فرما رہے ہیں:

✿ میرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے، وہ آئینہ سازی

✿ فقرِ مومن چیست؟ تسخیرِ جہات
بندہ از تاثیرِ اُو، مولا صفات

ترجمہ: مومن کا فقر کیا ہے، جہان کی تسخیر اور اس فقر سے بندہ صفاتِ حق تعالیٰ سے متصف ہو جاتا ہے۔

بے زری۔محتاجی، غریبی

جوہر۔خوبی، خاصیت

آشکار۔ظاہر

قلندری۔قلندر وہ ہے جو اللہ کی ذات میں فنا ہو کر بقاباللہ ہو جائے۔انسانِ کامل۔فقیرِ کامل

امتیاز۔فرق

سپہ۔فوج

تیغ بازی۔تلوار بازی

نگہ۔نگاہ، نظر

آدم گری۔انسان کو حقیقی معنوں میں انسان بنانا

اسکندری۔ظاہری دنیا کی حکمرانی، جو فریب ہے۔جبکہ فقر حق اور سچ ہے۔

آئینہ سازی۔آئینہ بنانا، کہا جاتا ہے کہ آئینہ بادشاہ سکندر نے ایجاد کیا۔آئینہ میں انسان نظر تو آتا ہے لیکن اصل میں ہوتا نہیں، یعنی آئینہ دھوکہ دیتا ہے۔

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر' فقر ہے شاہوں کا شاہ

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنت اہلِ دِل فقر ہے' شاہی نہیں

آپ رحمتہ اللہ علیہ اپنے فارسی کلام میں فرماتے ہیں:

1۔ فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست
ما امینیم ایں متاعِ مصطفیؐ است

2۔ بر مقامِ دیگر اندازد ترا
از زجاج الماس می سازد ترا

1۔ فقر' ذوق وشوق اور تسلیم ورضا کی کیفیت کا نام ہے۔ یہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی میراث ہے اور ہم اس کے امانت دار ہیں۔ 2 وہ (فقر) تجھے ایک اور ہی مقام پر لے جائے گا۔ اگر تو شیشہ ہے تو وہ تجھے الماس بنادے گا۔ یعنی فقر انسان کو الٰہی صفات کا مظہر بنا کر اسے نیابتِ الٰہی کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔

از تو بالا پایہ ایں کائنات
فقر تو سرمایہ این کائنات

ترجمہ: اس کائنات کا مرتبہ صرف آپ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بدولت سر بلند ہوا۔ اس (کائنات) کا سرمایہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے فقر کے سوا کچھ نہیں۔

تاج۔ بادشاہی

سریر۔ تخت

سپاہ۔ فوج

میر۔ سردار

رمز۔ راز

سلطنت۔ حکومت

اہلِ دِل۔ زندہ قلب رکھنے والے مومن، جن کے دِلوں میں اللہ کی ذات کا بسیرا ہے۔

فقر رانیز جہاں بان و جہاں گیر کنند

کہ بایں راہ نشیں تیغ نگاہے بخشند

ترجمہ: فقر جہاں بان اور جہاں گیر بنا دیا جاتا ہے اور اُسے (صاحبِ فقر کو) نگاہ کی تلوار عطا کر دی جاتی ہے (یعنی وہ نگاہ سے قلوب کو فتح کرتا ہے)۔

فقر جوع و رقص و عریانی کجاست

فقر سلطانی است، رہبانی کجاست

ترجمہ: بھوک، رقص اور ناچ، یہ سب فقر کہاں ہے؟ فقر تو سلطانی ہے اس میں رہبانیت کہاں۔

حکمتِ دیں دِل نوازی ہائے فقر

قوتِ دیں بے نیازی ہائے فقر

ترجمہ: دین کی حکمت فقر کی دلنوازی ہے اور دین کی قوت فقر کی بے نیازی (استغنا) ہے۔

چوں بہ کمال می رسد فقر دلیلِ خسروی است

مسند کیقباد را در تہِ بوریا طلب

ترجمہ: جب فقر مکمل اور کامل ہو جاتا ہے تو وہ شہنشاہی کے لیے بھی راہنما بن جاتا ہے۔ اس لیے تُو ایران کے مشہور بادشاہ کیقباد کا تخت فقیر کے بوریئے کے نیچے سے طلب کر۔ یعنی وہ سلطانی یا شہنشاہی طلب کر جو فقر (فقیری) سے حاصل ہوتی ہے۔

❁ علم و فقر میں فرق کو واضح کرتے ہوئے علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علم کا مقصود ہے پاکئ عقل و خرد

فقر کا مقصود ہے عفّتِ قلب و نگاہ

مقصود۔ مقصد، حاصل۔

پاکئ عقل و خرد۔ عقل اور شعور کی پاکیزگی اور بہتری۔

عفّتِ قلب و نگاہ۔ دِل اور نگاہ کا پاک ہونا۔

علم فقیہہ و حکیمؔ فقر مسیحؑ و کلیمؑ
علم ہے جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ

فقر مقامِ نظر، علم مقامِ خبر
فقر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ

علم کا موجود اور، فقر کا موجود اور
اشھد ان لا الہ، اشھد ان لا الہ

آخری دو اشعار میں اہلِ علم اور اہلِ فقر میں فرق کو آپؒ نے بیان فرمایا ہے کہ اہلِ علم کا ایمان اقرار باللسان تک محدود ہوتا ہے اور اہلِ فقر تصدیقِ قلب کے مرتبہ پر ہوتے ہیں۔

فقر راہبانیت کا درس نہیں دیتا اور نہ ہی فقر میں راہبانیت ہے۔

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمانی
تری نگاہ میں ہے ایک فقر و رہبانی

فقیہہ۔ اسلامی قانون کا ماہر۔
حکیم۔ فلسفی، دانشور۔
مسیح۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔
جویائے راہ۔ راہ تلاش کرنے والا۔
دانائے راہ۔ راہ جاننے والا۔
مقامِ نظر۔ دیدارِ الٰہی کرنے والا، اللہ کی حقیقی معرفت حاصل کرنے والا۔
مقامِ خبر۔ صرف خبر کی حد تک اللہ کو جاننے والا۔
مستی۔ وجد، سرشاری۔
موجود۔ وجود، ہستی۔ علم کے حساب سے موجود وہ ہے جو نظر آتا ہے یعنی ٹھوس اشیاء۔ علم کا تعلق عالمِ اجسام سے ہے، فقر کے لحاظ سے موجود صرف اللہ کی ذات ہے باقی تمام اشیاء فانی ہیں۔ فقر کا تعلق عالمِ غیب سے ہے۔
رہبانی۔ ظاہری طور پر دنیا چھوڑ دینا۔ رہبانیت کا تعلق عیسائیت سے ہے جس میں ظاہری طور پر دنیا سے قطع تعلق کر کے ایک الگ تھلگ زندگی گزاری جاتی ہے جبکہ اسلام میں رہبانیت ہرگز نہیں ہے۔ فقر میں ترکِ دنیا سے مراد دِل سے تمام دنیا کے مال و دولت اور رشتوں ناطوں کی محبت نکال کر صرف ایک اللہ کی محبت رکھنا ہے۔ ظاہری طور پر دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کے تمام فرائض نبھائے جاتے ہیں لیکن باطنی طور پر صرف اللہ کے ساتھ رہا جاتا ہے جیسا کہ آقا پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا۔

سکوں پرستی راہب سے فقر ہے بیزار
فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی

راہِ فقر طلبِ مولیٰ کی راہ ہے۔ راہِ فقر کے راہی کو عام اصطلاح میں طالبِ مولیٰ (ارادت مند، سالک) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

سکوں پرستی راہب۔ راہب کی اپنے ذاتی سکون سے محبت جس کی خاطر وہ تمام دنیاوی فرائض سے منہ موڑ کر الگ تھلگ زندگی گزارتا ہے۔

سفینہ۔ کشتی۔ بحری جہاز

طوفانی۔ فقیر کے باطن میں ہر لمحے ہلچل رہتی ہے۔ وہ اللہ کا قرب و رضا پانے کی خاطر ہر لمحے جہاد بالنفس کی حالت میں رہتا ہے۔

دِل میں کسی خاص چیز کے حصول کی خواہش اور ارادہ کا نام طلب ہے اور حصولِ طلب کا جذبہ دِل میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ جو انسان اپنے دِل میں اللہ تعالیٰ کی پہچان، دیدار اور معرفت کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کی خواہش کو "طلبِ مولیٰ" اور اسے طالبِ مولیٰ' ارادت مند اور طالبِ حق کہتے ہیں، جسے عام طور پر سالک، طالب یا مرید کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

دنیا میں تین قسم کے انسان یا انسانوں کے گروہ پائے جاتے ہیں:

1. **طالبانِ دنیا:** جو انسان اپنے علوم وفنون، کمالات اور کوشش وکاوش دنیا کو حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اُسے ہی اپنی زندگی کا مقصد قرار دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا ذکر فکر، عبادات وریاضت، چلہ کشی' وردو وظائف کا مقصد بھی دنیاوی مال ومتاع کا حصول یا اس میں اضافہ ہے۔ دنیاوی آسائش کے حصول اور دنیاوی ترقی' عزوجاہ اور شہرت کو وہ کامیابی گردانتے ہیں۔

2. **طالبانِ عقبیٰ:** جن کا مقصود آخرت کی زندگی کو خوشگوار بنانا ہے۔ ان کے نزدیک نارِ جہنم سے بچنا اور بہشت، حور وقصور اور نعمت ہائے بہشت کا حصول ہی زندگی کی کامیابی ہے۔ اس

لیے یہ عبادت، ریاضت، زہد و تقویٰ، صوم و صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ، نوافل، ذکر اذکار اور تسبیحات سے آخرت میں خوشگوار زندگی کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہی زندگی کا مقصد اور کامیابی ہے۔

3. طالبانِ مولیٰ: جن کی عبادات اور جدو جہد کا مقصود دیدارِ حق تعالیٰ اور اُس کا قُرب و وصال ہے۔ یہ نہ تو دنیا کے طالب ہوتے ہیں اور نہ بہشت، حور و قصور اور نعمت ہائے بہشت کے۔ ان کے ہر عمل اور عبادت کا مقصد قرب و دیدارِ ذاتِ حق تعالیٰ ہوتا ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے طالب اور عاشق ہوتے ہیں۔ اس طلب کے لیے یہ دونوں جہانوں کو قربان کر دیتے ہیں اور دنیا و عقبیٰ کو ٹھکرا کر ذاتِ حق کے دیدار کے متمنی رہتے ہیں۔

''عارفین ہمیشہ طالبِ مولیٰ بننے کی تلقین کرتے ہیں''

❁ ان تینوں گروہوں کو اس حدیث قدسی میں بیان کیا گیا ہے:

طَالِبُ الدُّنْیَا مُخَنَّثٌ وَ طَالِبُ الْعُقْبٰی مُؤَنَّثٌ وَ طَالِبُ الْمَوْلٰی مُذَکَّرٌ ٥

ترجمہ: دنیا کا طالب (مخنث) ہیجڑہ ہے، عقبیٰ کا طالب (مؤنث) عورت ہے اور طالبِ مولیٰ مذکر (مرد) ہے۔

❁ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مرد مذکرّ کسے کہتے ہیں؟ مرد مذکرّ وہ ہے جس کے دِل میں بجز طلبِ مولیٰ اور کوئی طلب ہی نہ ہو۔ نہ دنیا کی طلب، نہ زینتِ دنیا کی طلب، نہ حور و قصور کی طلب، نہ میوہ و براق کی طلب اور نہ لذتِ بہشت کی طلب کہ اہلِ دیدار کے نزدیک یہ سب کچھ فضول اور بے کار چیزیں ہیں کیونکہ اِن کے دِلوں میں اسمِ اَللّٰہُ ذات نقش ہے اور یہ یومِ اَلست ہی سے اسمِ اَللّٰہُ ذات کی مستی میں غرق چلے آرہے ہیں اور جن لوگوں نے اسمِ اَللّٰہُ ذات کو اپنا جسم و جان بنا لیا وہ دونوں جہان میں غم والم سے آزاد ہو گئے۔ (عین الفقر)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلبِ مولیٰ کے بارے میں فرمایا ہے:

❁ مَنْ طَلَبَ شَیْءً فَلَا تَجِدْہُ خَیْرًا وَّمَنْ طَلَبَ الْمَولٰی فَلَہُ الْکُلُّ ○

ترجمہ: جو شخص کسی چیز کی طلب کرتا ہے وہ اس میں کبھی بھلائی نہیں پاتا اور جو شخص مولیٰ کی طلب کرتا ہے اُس کے لئے سب کچھ ہے۔

❁ مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا فَلَہٗ الدُّنْیَا وَمَنْ طَلَبَ الْعُقْبٰی فَلَہٗ الْعُقْبٰی وَمَنْ طَلَبَ الْمَولٰی فَلَہٗ الْکُلُّ ○ (اسرارِ قادری)

ترجمہ: جو دنیا طلب کرتا ہے اُسے دنیا ملتی ہے جو عقبیٰ (آخرت) کا طلبگار ہوتا ہے اُسے عقبیٰ ملتی ہے اور جو مولیٰ کی طلب کرتا ہے اُسے سب کچھ ملتا ہے۔

❁ اَلدُّنْیَا حَرَامٌ عَلٰی اَھْلِ الْعُقْبٰی وَالْعُقْبٰی حَرَامٌ عَلٰی اَھْلِ الدُّنْیَا وَالدُّنْیَا وَالْعُقْبٰی حَرَامٌ عَلٰی طَالِبُ الْمَوْلٰی ○ مَنْ لَّہٗ الْمَوْلٰی فَلَہٗ الْکُلُّ ○ (شمس العارفین)

ترجمہ: دنیا اہلِ عقبیٰ پر حرام ہے۔ عقبیٰ اہلِ دنیا پر حرام ہے اور طالبِ مولیٰ پر دنیا و عقبیٰ دونوں حرام ہیں۔ جسے مولیٰ مل گیا سب کچھ اسی کا ہو گیا۔

❁ طالبِ مولیٰ کی یہ نشانی بیان کی گئی ہے:

اِجْسَامُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَقُلُوْبُھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ الصَّلٰوۃِ الدَّئِمُوْنَ یُصَلُّوْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ ○ (اسرارِ قادری)

ترجمہ: اِن کے اجسام دنیا میں اور اِن کے دِل آخرت میں ہیں وہ دائمی نماز دِل میں ادا کرتے ہیں۔

❁ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ ترجمہ: ''جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا''

❁ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے:

''میں اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کی طلب یا دوزخ کے خوف سے نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت اس لیے کرتا ہوں کیونکہ وہی عبادت کے لائق ہے۔''

❁ سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ طالبِ مولیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''دنیا کے طالب بہت ہیں اور عقبیٰ کے کم اور طالبِ مولیٰ بہت ہی کم ہیں لیکن وہ اپنی کی

اور نایابی کے باوجود اکسیر کا حکم رکھتے ہیں ان میں تانبے کو زرِ خالص بنانے کی صلاحیت ہے۔ وہ بہت ہی شاذ و نادر پائے جاتے ہیں۔ وہ شہروں میں بسنے والوں پر کوتوال مقرر ہیں۔ ان کی وجہ سے خلقِ خدا سے بلائیں دور ہوتی ہیں انہی کے طفیل اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل کرتا ہے۔ اور انہی کے سبب زمین قسم قسم کی اجناس اور پھل پیدا کرتی ہے۔ ابتدائی حالت میں وہ شہر در شہر اور ویرانہ در ویرانہ بھاگتے پھرتے ہیں، جہاں پہچانے جائیں وہاں سے چل دیتے ہیں پھر ایک وقت آتا ہے کہ ان کے اردگرد خدائی قلعے بن جاتے ہیں۔ الطافِ ربانی کی نہریں انکے دلوں کی طرف جاری ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا لشکر انہیں اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔ وہ مکرم و محفوظ ہو جاتے ہیں اب خلقت پر توجہ کرنا ان پر فرض ہو جاتا ہے اور وہ طبیب بن کر مخلوقِ خدا کا علاج کرتے ہیں لیکن یہ تمام باتیں تمہاری عقل اور فہم سے بالاتر ہیں۔ (الفتح الربانی)

❁ اے طالبِ دنیا اور اے درہم و دینار (دولت) کے خواہش مند یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں پس تو ان کو مخلوق سے طلب نہ کر اور نہ ان کے دینے سے مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ اور نہ ان کو اسباب پر اعتماد کرنے والی زبان سے مانگ۔ (الفتح الربانی)

❁ جب میں صادق مریدوں (طالبانِ مولیٰ) کا چہرہ دیکھتا ہوں جنہوں نے میرے ہاتھ پر فلاح حاصل کی تو سیر ہو جاتا ہوں۔ (الفتح الربانی)

❁ شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''معرفتِ الٰہی کے قابل وہ شخص ہے جس کی ہمت بلند ہو یعنی نہ وہ دنیا کا طالب ہو نہ آخرت کا طالب بلکہ محض حق تعالیٰ کی ذات کا طالب ہو۔'' (شرح فصوص الحکم والایقان)

❁ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے کلام میں جابجا طالبِ مولیٰ سے خطاب کیا گیا ہے۔ آپ نے عبادت کے بدلے میں کسی جزا اور اجر کی تمنا رکھنے کو سوداگری قرار دیا ہے اور عمل اور عبادت صرف بے غرض ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کرنے کی تلقین فرمائی ہے:

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر' جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
واعظ کمالِ ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے' تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر' بادہ و جام سے گزر

جنت کی حوروں کی طلب میں عبادت کرنے والوں سے آپ رحمتہ اللہ علیہ مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

اُمیدِ حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو
یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے بھولے بھالے ہیں

آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت عبادت و ریاضت کرنے والوں کو مبارک ہو میں تو دیدارِ الٰہی چاہتا ہوں۔ میں ہوں تو ایک ذرہ کے برابر' لیکن شوقِ دیدار اتنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح دیدار کا سوال کر بیٹھا ہوں۔

یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی لَنۡ تَرَانِیۡ سنا چاہتا ہوں

کمالِ ترک۔ اللہ کے سوا ہر شے کی طلب کو ترک کر دینا۔
عقبیٰ۔ آخرت میں بہشت اور اس کی نعمتیں۔
مراد۔ منزل
حور و خیام۔ حوریں اور خیمے جو جنت میں اللہ کے بندوں کو ملیں گے۔

بادہ و جام۔ شراب اور پیالہ، مراد بہشت کی شراب۔
زاہدوں۔ مراد طالبانِ عقبیٰ
لَنۡ تَرَانِیۡ ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اِس واقعہ کی تلمیح استعمال کی گئی ہے جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خواہش کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا لَنۡ تَرَانِیۡ ترجمہ: تو ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ زبورِ عجم میں دنیا اور عقبیٰ کا تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

1۔ ایں ہم جہانے، آں ہم جہانے
ایں بیکرانے، آں بیکرانے!

2۔ ہر دو خیالے، ہر دو گمانے
از شعلہ من موجِ دخانے!

3۔ ایں یک دو آنے آں یک دو آنے
من جاودانے، من جاودانے!

4۔ ایں کم عیارے، آں کم عیارے
من پاک جانے، نقد روانے!

5۔ اینجا مقامے، آنجا مقامے
اینجا زمانے، آنجا زمانے!

6۔ اینجا چہ کارم، آنجا چہ کارم
آہے فغانے، آہے فغانے!

7۔ ایں رہزنِ من، آں رہزنِ من
اینجا زیانے، آنجا زیانے!

8۔ ہر دو فروزم، ہر دو بسوزم
ایں آشیانے، آں آشیانے!

ترجمہ: 1. یہ دنیا بھی ایک جہان ہے اور بہت وسیع و عریض ہے اور عقبیٰ بھی ایک جہاں ہے اور وہ بھی وسیع و عریض ہے۔ 2. دنیا و عقبیٰ دونوں ہی خیال اور گمان ہیں اور دونوں کا وجود انسان ہی کی بدولت ہے اگر انسان نہ ہوتا یہ بھی نہ ہوتیں۔ 3. یہ دنیا بھی عارضی ہے اور وہ عقبیٰ بھی عارضی ہے' میں (انسان) جاوداں ہوں یعنی دونوں عارضی اور فانی ہیں اور انسان بقا باللہ کے مقام پر پہنچ کر

(انسانِ کامل بن کر) جاوداں ہو جاتا ہے۔ 4. دنیا اور عقبیٰ دونوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے' یعنی دونوں جذبۂ عشق سے عاری ہیں اور میں ہمیشہ رہنے والا ہوں کہ میں جذبۂ عشق کی بدولت بقا باللہ کے مقام پر پہنچا ہوں۔ 5. دنیا میں بھی میرا قیام عارضی ہے اور عقبیٰ میں بھی میرا قیام عارضی ہوگا اس لیے مجھے دونوں (دنیا و عقبیٰ) سے کوئی غرض نہیں۔ 6. دنیا میں میرا کیا کام اور عقبیٰ میں میرا کیا کام میں تو عشق کی بدولت یہاں بھی بیقرار ہوں اور آہ و فغاں کر رہا ہوں' عقبیٰ میں بھی میرا حال یہی ہوگا یعنی اگر مجھے جنت میں بھیج دیا گیا اور دیدارِ الٰہی نصیب نہ ہوا تو میرا حال عقبیٰ میں بھی وہی ہوگا جو یہاں ہے۔ 7. دنیا بھی لٹیری ہے اور عقبیٰ بھی لٹیری ہے' یہاں بھی نقصان ہے وہاں بھی نقصان ہے' یعنی دونوں میرے محبوبِ حقیقی کی راہ کاٹنے والی ہیں' اصل میں آپؒ کا مدعا یہ ہے کہ یہاں دنیا کی لذتیں انسان کو اللہ تعالیٰ کی طلب سے دور کرتی ہیں' تو وہاں جنت کی لذتیں دیدارِ الٰہی سے محروم کر دیں گی۔ 8. میں دنیا اور عقبیٰ دونوں کو روشن کرتا ہوں یعنی دونوں انسان کی خاطر بنائی گئی ہیں، دونوں کی رونقیں انسان کے لیے ہیں اور انسان ہی ان رونقوں کو بڑھاتا ہے۔ لیکن ان میں کھو کر محبوبِ حقیقی کو بھول جانا میرا شیوہ نہیں ہے' اس لیے میرے عشق کی ایک آہ ان کو جلا دیتی ہے۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ پیامِ مشرق میں فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر کسی کو اُس کی طلب کے مطابق عطا کیا جاتا ہے' جتنی اور جیسی کسی کی طلب ہوگی اُسے اس کی طلب کے مطابق ہی ملے گا۔

ہست ایں میکدہ و دعوتِ عام است اینجا
قسمت بادہ باندازۂ جامِ است اینجا

ترجمہ: یہ دنیا ایک میکدہ ہے اور ہر کسی کو (لذتِ دیدارِ الٰہی کی مے) پینے کی دعوتِ عام ہے' تاہم ہر کسی کے حصے کی شراب اس کے جام (طلب) کے مطابق ہوتی ہے۔

دلِ عاشقاں بمیرد بہ بہشت جاودانے
نہ نوائے درد مندے' نہ غمے نہ غم گسارے

ترجمہ: عاشقوں کا دل ہمیشہ رہنے والی بہشت میں مر جاتا ہے (کیوں کہ بہشت میں زندگی ہمیشہ

ایک ہی ڈگر پر رہے گی اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوگا) اور نہ وہاں کسی دردمند (عاشق) کی پرسوز آواز سنائی دیتی ہے' نہ اس میں کوئی غم اور نہ کوئی غم گسار محبوب۔

جاوید نامہ میں آپ مُلّا (طالبِ عقبیٰ) اور عاشق کی جنت کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

1۔ مردِ آزادے کہ داند خوب و زشت
می نگنجد روحِ او اندر بہشت

2۔ جنتِ مُلّا مے و حور و غلام
جنتِ آزادگاں سیرِ دوام

3۔ جنتِ مُلّا خور و خواب و سرود
جنتِ عاشق تماشائے وجود

4۔ حشرِ مُلّا شقِ قبر و بانگِ صور
عشقِ شور انگیز خود صبحِ نشور

1. ایک طالبِ مولیٰ (عاشق) کی روح جو کہ محبوبِ حقیقی کے لیے تڑپ رہی ہوتی ہے' بہشت میں نہیں سماسکتی۔ 2. مُلّا (طالبِ عقبیٰ) کی جنت تو شرابِ طہور اور حور و غلمان والی جنت ہے جبکہ عاشقوں کی جنت سیرِ دوام[1] میں مصروف رہنا ہے۔ 3. مُلّا (طالبِ عقبیٰ) کی جنت کھانا' پینا اور جنت کا عیش و آرام ہے اور عاشق کی جنت محبوبِ حقیقی کا دیدار ہے۔4. مُلّا (طالبِ عقبیٰ) کے مطابق قیامت قبر کے کھلنے اور صورِ اسرافیل پر مُردوں کے اٹھنے کا نام ہے' لیکن ایک عاشق قیامت سے پہلے ہی قیامت (محبوبِ حقیقی کا دیدار) دیکھ لیتا ہے۔

زاہد اندر عالمِ دنیا غریب
عاشق اندر عالمِ عقبیٰ غریب

1۔ ہمیشہ، دائمی طور پر دیدارِ الٰہی میں محو رہنا

ترجمہ: زاہد (طالبِ عقبیٰ) اس دنیا کو اجنبی (مسافر خانہ) سمجھتا ہے اور بہشت، حور و قصور اور نعمت ہائے بہشت کے لیے عبادت کرتا ہے، جبکہ طالبِ مولیٰ (عاشق) عقبیٰ کو اجنبی (مسافر خانہ) سمجھتا ہے اور اللہ کے دیدار کے لیے عبادت کرتا ہے۔

گرچہ جنت از تجلّی ہائے اوست
جاں نیاساید بجز دیدارِ دوست

ترجمہ: اگرچہ جنت اللہ تعالیٰ کی تجلّیوں (نعمتوں، انعامات) میں سے ہے، لیکن روح محبوب کے دیدار کے بغیر سکون نہیں پاتی۔

درگذشتم زاں ہمہ حور و قصور
زورقِ جاں باختم در بحرِ نور

ترجمہ: میں نے سب حوروں اور بہشت کو چھوڑ دیا اور اپنی روح کو نور کے سمندر (وحدتِ حق تعالیٰ) میں غرق کر دیا۔

❁ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی طلب کو ہی دین قرار دیتے ہیں آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دیں سراپا سوختن اندر طلب
انتہائش عشق و آغازش ادب

ترجمہ: دین کیا ہے؟ یہ اللہ کی طلب میں خود کو پرسوز اور پُر درد بنانا ہے، اس کی انتہا عشق اور ابتداء ادب (مرشد کا) ہے۔

❁ آپ رحمتہ اللہ علیہ راہِ فقر میں عقل کے حملوں سے بچنے کیلئے طالب کو تلقین فرماتے ہیں:

دِل ہو غلامِ خرد، یا کہ امامِ خرد
سالک رہ ہوشیار! سخت ہے یہ مرحلہ

غلامِ خرد۔ عقل کا غلام، عقل کے مطابق فیصلے کرنے والا۔

امامِ خرد۔ عقل پر حکمران

سالک۔ راہِ حق کا مسافر۔ اللہ کی طرف سفر کرنے والا

شاہین سے مراد۔ نوجوان طالبِ مولیٰ

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ امتِ محمدیہ کے نوجوان طالبانِ مولیٰ بنیں نہ کہ طالبانِ دنیا اور عقبیٰ۔ اس لیے نوجوان طالبِ مولیٰ کے لیے آپ نے ''شاہین'' کی اصطلاح وضع فرمائی۔ اس کی وضاحت انہوں نے ظفر احمد صدیقی کے نام اپنے ایک خط میں کی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> ''شاہین کی تشبیہہ شاعرانہ نہیں ہے۔ اس پرندے میں اسلامی فقر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں، خوددار اور غیرت مند ہے اور کسی کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔ بے تعلق ہے، آشیانہ نہیں بناتا، بلند پرواز ہے، خلوت پسند ہے، تیز نگاہ ہے۔''

سیّد علامہ سلیمان ندویؒ کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''شاہین ایک ایسا پرندہ ہے جو اپنے ساتھ عظیم صفات رکھتا ہے دور اندیشی' عزت' حرکت اور غیرت کا نمائندہ ہے۔''

حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نورِ بصیرت سے جانتے تھے کہ نوجوان ہی امتِ مسلمہ کی تقدیر بدل سکتے ہیں بشرطیکہ یہ راہِ فقر پر چل کر اپنے اندر وہ صفات پیدا کر لیں جو ''شاہین'' میں ہوتی ہیں اور راہِ فقر پر کامل ہو کر شاہینِ لولاکؐ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شاہین بن جائیں اسی لیے نوجوانوں کے لیے انہوں نے شاہین کی اصطلاح وضع فرمائی اور اپنی شاعری کے ذریعے اُن کو 'طالبِ مولیٰ' بننے کی ترغیب دی۔ وہ نوجوانوں کو شاہین جیسی صفات کا حامل دیکھنا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بار بار شاہین کا ذکر کر کے وہ نوجوانوں میں عشقِ حقیقی کی تڑپ پیدا کرنا چاہتے ہیں تا کہ راہِ فقر پر چل کر نوجوان اپنے افکار اور فطرت میں تبدیلی پیدا کر کے مسلم امہ کو زوال سے نکال کر عروج پر لے جا سکیں، عمر رسیدہ لوگ صرف راہنمائی کر سکتے ہیں۔ شاہین کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے اس کی صفات' شاہین کی اپنی زبانی یوں بیان فرماتے ہیں:

کیا میں نے اس خاک داں سے کنارا
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ
بیاباں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو
ازل سے ہے فطرت مری راہبانہ
ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
جواں مرد کی ضربتِ غازیانہ
حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں
کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اِک بہانہ
پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہین بناتا نہیں آشیانہ

طالبِ مولیٰ مرد ہوتا ہے اور اقبالؒ نے شاہین میں تمام صفات طالبِ مولیٰ ہی کی بیان فرمائی ہیں اقبالؒ پہلے صوفی اور فقیر ہیں جنہوں نے نوجوان طالبانِ مولیٰ کے لیے شاہین کی ایک علیحدہ اور منفرد اصطلاح وضع کی اور یہ اصطلاح وضع کرتے ہوئے انہوں نے شاہین اور طالبِ مولیٰ کی

خاک دان۔ کوڑا اور گندگی ڈالنے کی جگہ۔ مراد دنیا

کنارا کرنا۔ علیحدگی اختیار کرنا۔

آب و دانہ۔ پانی اور اناج یعنی صرف ظاہری رزق کو ہی سب کچھ سمجھنا اور اسی کے لیے دوڑ دھوپ کرنا اور باطنی و روحانی رزق کی کوئی پرواہ نہ کرنا۔

بیاباں۔ ویرانہ۔

خلوت۔ تنہائی۔

خوش آتی۔ پسند آتی۔

ہوائے بیاباں۔ جنگل کی ہوا۔

کاری۔ تیز اثر کرنے والی، مہلک۔

ضربت۔ چوٹ، وار۔

غازیانہ۔ مجاہدانہ۔

لہو گرم رکھنا۔ ہمت اور جوش کو قائم رکھنا، جذبوں کو بیدار رکھنا۔

مشترک صفات کو مدِنظر رکھا کہ یہ غیور پرندہ ہمیشہ بلند پروازی پسند کرتا ہے اور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتا، طالبِ مولیٰ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ شاہین غیور ہوتا ہے' طالبِ مولیٰ بھی غیور ہوتا ہے' شاہین خوددار ہے' طالبِ مولیٰ بھی خوددار ہوتا ہے' شاہین بے نیاز ہے طالبِ مولیٰ بھی بے نیاز ہوتا ہے' شاہین نڈر، دلیر ہوتا ہے' طالبِ مولیٰ بھی بہادر' نڈر اور دلیر ہوتا ہے، شاہین بلند پرواز ہوتا ہے، طالبِ مولیٰ بھی بلند پرواز ہوتا ہے۔

شاہین کے برعکس گِدھ مردے کھاتا ہے مردہ خوری اس کی طبیعت کا خاصہ ہے اور یہ طالبِ دنیا یا مردار دنیا کا نمائندہ ہے کیونکہ مردار کھانا اس کی طبیعت اور مزاج کا حصہ ہے۔ اقبالؒ طالبِ مولیٰ (شاہین) اور طالبِ دنیا (گِدھ) کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
شاہین کا جہاں اور ہے، کرگس کا جہاں اور

طالبِ دنیا اور طالبِ عقبیٰ اپنی تمام اغراض کے لیے حکمرانوں سے تعلق، واسطہ اور رابطہ رکھ کر مفادات حاصل کرتے ہیں اس کے لیے ہمیشہ انہیں غیرت کا سودا کرنا پڑتا ہے جبکہ شاہین (طالبِ مولیٰ) خوددار اور بے نیاز ہوتا ہے۔ اس لیے اقبالؒ طالبِ مولیٰ سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں:

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

طالبِ مولیٰ راہِ فقر میں مسلسل عمل اور جدوجہد میں مصروف رہتا ہے اور شاہین بھی۔ اقبال رحمتہ اللہ علیہ طالبِ مولیٰ سے مخاطب ہیں:

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُر دم ہے اگر تُو، تو نہیں خطرۂ افتاد

طالبِ مولیٰ راہِ فقر میں کسی ایک منزل یا مقام پر قیام نہیں کرتا۔ بلکہ باطن میں مسلسل ایک منزل

کرگس۔ گِدھ۔ نشیمن۔ ٹھکانہ، گھر
قصرِ سلطانی۔ بادشاہ کا محل۔ حکمرانوں کی ہم نشینی
پُر دم۔ پُر جوش، پُر ہمت
خطرۂ افتاد۔ گرنے کا خطرہ

سے دوسری منزل، ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف سفر جاری رکھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کی اصل منزل اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور جب تک وہ وہاں نہیں پہنچ جاتا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا اس لیے مسلسل محوِ پرواز رہنا اس کی فطرت ہے۔ اسی لیے اقبالؒ طالبِ مولیٰ سے مخاطب ہیں:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے، پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کامیابی کی دستار یا خرقہ کا حق دار صرف شاہین (طالبِ مولیٰ) ہی ہوتا ہے اور اسے (انسانِ کامل کا) کلاہ فقر کی منازل کامیابی سے طے کرنے پر بارگاہِ حق تعالیٰ سے عطا ہوتا ہے۔

برہنہ سر ہے تو عزمِ بلند پیدا کر
یہاں فقط سرِ شاہین کے واسطے ہے کلاہ

شاہین (طالبِ مولیٰ) متوکل اور آزاد ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ کسی کی غلامی پسند نہیں کرتا اور نہ ہی کسی مقام (باطنی و روحانی) پر ٹھہرنا پسند کرتا ہے۔

گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی

اقبال رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ:

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است

ترجمہ: تو خود کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچا کیونکہ وہی مکمل دین ہیں اگر تو اُن تک نہیں پہنچتا تو

عزمِ بلند۔ اللہ کی ذات تک پہنچنے کا بلند ارادہ
کُلاہ۔ تاج، حکمرانی
کار۔ کام
آشیاں بندی۔ گھر بنانا، کہیں مستقل بسیرا بنانا

تیرا سارا دین ابولہب کا دین ہے۔

اس لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا شاہین (طالبِ مولیٰ) بھی اس وقت ہی شاہین بنتا ہے جب وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے۔ حدیثِ قدسی ہے لولاک لما خلقت افلاک (محبوب اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نہ ہوتے تو میں مخلوق کو پیدا نہ کرتا)۔ ہر طالبِ مولیٰ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور پوشیدہ ہے اس لیے طالبِ مولیٰ کی منزل حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہے یعنی شاہین شاہِ لولاکؐ ہوتا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تیرا جوہر ہے نوری' پاک ہے تو
فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
تیرے صیدِ زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہینِ شہِ لولاکؐ ہے تو

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رباعی ابتدا میں بیان کی گئی طالبِ مولیٰ کی تمام خصوصیات بیان کر رہی ہے۔ جو مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت اور ان کی ذات تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتا اس کے لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
تری پرواز لولاکیؐ نہیں ہے

جوہر۔ حقیقت، روح، اصل وجود

فروغ۔ روشنی

دیدۂ افلاک۔ آسمانوں کی آنکھ۔ مراد تمام کائنات

صیدِ زبوں۔ کمزور شکار

افرشتہ۔ فرشتے اور دیگر آسمانی مخلوق

شاہینِ شہ لولاکؐ۔ آقا پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شاہین

اندیشہ۔ فکر، سوچ، خیالات

افلاکی۔ آسمان جیسے بلند

پرواز۔ اُڑان

لولاکی۔ نورِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ مراد یہ کہ تو اپنی حقیقت (نورِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تک روحانی طور پر پرواز کر کے پہنچنا نہیں چاہتا۔

یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
تیری آنکھوں میں بے باکی نہیں ہے

آپ رحمتہ اللہ علیہ کی یہ رباعی طالبانِ عقبیٰ کے لیے ہے جو مقامات و منازل کے طلبگار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا سے منہ موڑ کر وردو وظائف تو کر لیتے ہیں لیکن درجاتِ بہشت اور حور و قصور کو چھوڑ کر صرف طالبِ مولیٰ بننے کی ہمت اِن میں نہیں ہوتی لہٰذا درجات تو پا لیتے ہیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس کی حضوری سے محروم رہتے ہیں۔

بعض طالبانِ مولیٰ کو طالبانِ دنیا اور طالبانِ عقبیٰ کی صحبت اور محبت بھی تباہ کر دیتی ہے، وہ اُن کی صحبت میں رہ کر اُن جیسے بن جاتے ہیں اور یوں اُن کے اندر موجود فطرتِ ازلی (عشق اور دیدارِ الٰہی کی طلب جو ان کے اندر نورِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی موجودگی کی وجہ سے ازل سے ہے) دم توڑ دیتی ہے۔ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے طالبِ دنیا کو گِدھ (کرگس) اور زاغ (کوے) سے تشبیہ دی ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے، راہ و رسمِ شاہبازی

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہین بچے کو صحبتِ زاغ

اقبال رحمتہ اللہ علیہ کو سب سے بڑا شکوہ موجودہ دور کے مدرسوں، خانقاہوں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے ہے کہ وہ مومن نوجوانوں (شاہینوں) کو صرف مادیت اور ظاہریت کا سبق پڑھا رہے ہیں اور انہیں مادہ پرست اور ظاہر پرست بنا رہے ہیں۔ روحانیت اور حقیقت کے بارے میں تعلیم ہر جگہ ناپید ہے۔

بے باکی۔ جرأت، دلیری
فریب خوردہ۔ دھوکہ کھانے والا

راہ و رسمِ شاہبازی۔ شہباز جیسی بلند پروازی، ہمت و حوصلہ اور آزادی۔

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

آپ رحمتہ اللہ علیہ نوجوانوں سے شکوہ کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو نہ سمجھا اور راہِ فقر اختیار کرنے کی بجائے مادہ پرستی اور ظاہر پرستی میں پڑ گئے۔

افسوس' صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارے

آپ رحمتہ اللہ علیہ ان شاہینوں (طالبانِ مولیٰ) کے بارے میں فکر مند نظر آتے ہیں جو صراطِ مستقیم (راہِ فقر) بھول کر مادیت اور ظاہری پرستی میں گم ہو چکے ہیں اور امتِ مسلمہ کے اِن نوجوانوں کے لیے دعا گو نظر آتے ہیں:

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر اِن شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے
میرا نورِ بصیرت عام کر دے

اقبال رحمتہ اللہ علیہ کا نوجوانوں کے لیے پیغام ہے کہ وہ ظاہر پرست، مادہ پرست بننے کی بجائے شاہین بنیں۔ خودداری اور غیرت مندی تو تمام زندہ قوموں کا خاصہ ہے البتہ جو یہ کہا گیا ہے کہ شاہین آشیانہ نہیں بناتا، خوددار اور بے تعلق ہے تو یہ ایسی رمز ہے جس کا تعلق خاص فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کی روش کے برخلاف اسلام وطن کو نہیں بلکہ دین کو اتحادِ اُمت کا

خاک بازی کا۔ دنیا کی گندگی میں کھیلنے کا یعنی صرف دنیا سے تعلق جوڑنے کا۔

آہِ سحر۔ صبح کی فریاد' جذبہ وجنون' اللہ کو پالینے کی تڑپ۔

بال و پر۔ طاقت۔ اللہ تک روحانی پرواز کرنے کی قوت اور ہمت۔

نورِ بصیرت۔ دیدارِ الٰہی کی قوت۔ نورِ الٰہی کی مدد سے سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی قوت۔

وسیلہ اور ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بلند پروازی فقر کو لازم ہے کیونکہ جب آدمی علائقِ دنیوی سے اس لحاظ سے بے تعلق ہو جائے گا کہ نہ اسے دنیا کا خوف رہے گا اور نہ دنیاوی لذتوں کے حصول کی ہوس، تو اس کی روحانی اقدار بلند ہو جائیں گی اور وہ ایسے نصب العین اپنے سامنے رکھے گا جن تک پہنچنا دراصل اللہ کی رضا کے مطابق اور فریضۂ انسانیت سے عبارت ہوگا۔ باقی رہی تیز نگاہی تو یہ باطنی آنکھ یعنی نورِ بصیرت کی رمز ہے کہ جب مسلمان کو نورِ بصیرت حاصل ہوتا ہے تو وہ مومن بنتا ہے اور مومن کے بارے میں ارشاد ہے کہ "مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔" اقبال اللہ کے نور سے دیکھنے والے ایسے ہی شاہینوں (نوجوان طالبِ مولیٰ) کے طلب گار ہیں۔

اس عاجز کا بھی پختہ خیال ہے کہ جب نوجوان راہِ فقر اختیار کریں گے اور نورِ بصیرت حاصل کریں گے تو تب ہی امتِ مسلمہ زوال کی گہرائیوں سے نکل کر عروج حاصل کرے گی۔

"نوجوانو! آؤ اللہ کی طرف کہ تم اپنی جوانی کے ایک ایک لمحہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جوابدہ ہو۔"

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے کلام میں شاہین سے مراد طالبِ مولیٰ' لیکن خصوصاً نوجوان طالبِ مولیٰ ہیں۔ اگر اُن کے کلام میں شاہین کی اصطلاح سے طالبِ مولیٰ ہی مراد لیں تو شعر میں چھپی اصل بات سمجھ میں آئے گی۔

قصہ مختصر تمام کائنات بشمول دنیا، عقبیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے ان کا مالک وخالق اللہ تعالیٰ ہے پھر کیوں نہ دنیا اور عقبیٰ، جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں، کو چھوڑ کر دنیا و عقبیٰ کے مالک کے دیدار اور پہچان کے لئے اس کی عبادت کی جائے، پھر دنیا و عقبیٰ کا حصول معمولی بات ہے۔ اگر کوئی یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف قدموں سے چل کر پہنچا جا سکتا ہے تو وہ گمراہی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ جہات[1]، زمان[2]، مکان، الوان[3]، دِن رات، حدودِ اقطار[4] اور حدودِ مقدار[5] سے منزّہ اور مبرّہ[6] ہے۔ دیدارِ الٰہی کا سفر انسان

1۔ اطراف 2۔ وقت 3۔ رنگ 4۔ قطر کی جمع۔ دائرے کو دو حصوں میں تقسیم کرنے والا خط 'Diameter'۔ مراد فاصلہ 5۔ Quantity 6۔ بَری، پاک

کی اپنی حقیقت کی پہچان یا ''نفس کے عرفان'' یا خود اس کے باطن کا سفر ہے۔ راہِ قلب (نورِ بصیرت) ہی سے اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔

جب سے انسان نے زمین پر قدم رکھا ہے اس کے ذہن میں ہمیشہ ایسے سوالات جنم لیتے رہتے ہیں۔

- میں کون ہوں؟
- میری ابتدا کیا ہے؟
- میری انتہا کیا ہے؟
- میری حقیقت کیا ہے؟
- میری پہچان کیا ہے؟
- اگر مجھے تخلیق کرنے والا خالق کوئی ہے تو وہ کون ہے؟ اس کی پہچان کیا ہے؟
- میرا مقصدِ حیات کیا ہے؟

ان جوابات کی تلاش کے لیے انسان نے جب بھی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہنمائی کے لیے ہر دور میں اور اس زمین کے ہر خطہ میں اپنے نبی اور رسول بھیجے جو انسان کو ان سوالات کے

جوابات سے مطلع فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ زمانہ آپہنچا جب روئے زمین کے انسان ایک دوسرے کے اتنے قریب آگئے کہ دنیا کے ایک سرے پر بیٹھا ہوا انسان دنیا کے دوسرے سرے پر بیٹھے ہوئے انسان سے باخبر رہنے لگا۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب، باعثِ تخلیقِ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبعوث فرما کر بنی نوع انسان پر اپنی راہنمائی کی حجت تمام کردی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پوری نسلِ انسانی کے لیے تا قیامِ قیامت ہادی ہیں۔ انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے قرآنِ مجید کی صورت میں مکمل ضابطہ حیات عطا ہوا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی (النجم) ترجمہ: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے۔'' تو قرآنِ مجید کے ساتھ ساتھ احادیثِ قدسی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صورت میں یہ ضابطۂ حیات قیامت تک کے لیے محفوظ کرلیا گیا۔ جس خوش قسمت نے اس ضابطہ حیات کی طرف رجوع کیا اُسے راہنمائی ملی اور اس نے اپنا مقصدِ حیات حاصل کرلیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس حدیثِ قدسی میں انسان کی تخلیق کا مقصد بیان فرمایا ہے:

❁ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

ترجمہ: ''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اس لیے میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔''

اس حدیثِ قدسی سے واضح ہو گیا کہ انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی پہچان اور معرفت ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی پہچان کیسے حاصل ہوگی۔ تو اللہ کی پہچان کا طریقہ اس حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے:

❁ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ

ترجمہ: ''جس نے اپنی ذات کو پہچانا اس نے یقیناً اپنے ربّ کو پہچانا۔''

اسکی شرح اس طرح سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو عالمِ لاھوت میں روحِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سے پیدا فرمایا۔ اس مقام پر روح کو ''روحِ قدسی'' کا نام دیا جاتا ہے' اور یہی روح کی وہ حالت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ''انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں''۔ اس مقام پر ارواح اللہ تعالیٰ کے دیدار میں محو ہیں۔ اور پھر انسانی ارواح سے ''وعدہ بَلٰی'' لیا گیا۔ سورہ الاعراف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں)

تمام ارواح نے جواب دیا:

قَالُوۡا بَلٰی (ہاں تو ہی ہمارا رب ہے۔)

❁ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

الست از خلوت نازے کہ برخاست
بَلٰی از پردۂ سازے کہ برخاست

ترجمہ: اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ کی آواز کس کے ناز کی خلوت سے بلند ہوئی اور '' بَلٰی'' کا نغمہ کس کے ساز کے سُر سے بلند ہوا؟

عالمِ لاھوت وہ عالم ہے جہاں پر انسان (انسانی روح) کے سوا تمام مخلوق کا داخلہ ممنوع ہے۔ اسی عالم کی سرحد پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معراج کی رات فرمایا تھا کہ میں اگر اس مقام سے ذرا سا بھی آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے روح کو عالمِ جبروت میں اتارا اور اسے جبروتی لباس پہنایا کیونکہ روح جس جہان میں بھیجی جائے گی' اُسے اس جہان کے لباس کی ضرورت ہوگی' یہاں پر روح کا نام ''روحِ سلطانی'' ہوا۔ پھر اُسے عالمِ ملکوت میں اتارا گیا اور اُسے ملکوتی لباس پہنایا گیا، یہاں پر روح کا نام ''روح روحانی یا نورانی'' ہوا اور پھر اسے بشری جسم میں داخل کیا گیا اور لباسِ بشر پہنایا گیا' جہاں پر روح کا نام ''روح جسمانی یا حیوانی'' ہوا۔ اس لیے فرمایا ''روح امرِ ربّی ہے'' اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ ''ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے'' یعنی اس کی روح پاکیزہ اور نور سے منور ہوتی ہے اور لذّتِ دنیا اور آلائشاتِ دنیا کی طرف متوجہ نہیں ہوئی

ہوتی۔ اب انسانی عروج یہ ہے کہ جب وہ روحانی طور پر ترقی کرتا ہوا عالمِ لاھوت میں قدسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو انسان کو اپنی حقیقت کی پہچان یعنی عرفانِ نفس یا اقبالؒ کے مطابق ''خودی کی پہچان'' حاصل ہو جاتی ہے۔ اور یہی عروج انسان کا مقصدِ حیات ہے۔ روحِ قدسی کو مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا ہے:

- بعض صوفیاء کرام نے انسان کے اس روحانی وجود کو 'باطن'، 'اندر کا انسان'، 'روحانی انسان' یا 'انسان کا باطنی وجود' کا نام دیا ہے۔
- بعض احادیث میں اور صوفیاء کرام نے روح کو قلب' دل یا من کا نام دیا ہے۔ دل' قلب یا من گوشت کا وہ لوتھڑا نہیں ہے' جو سینے کے اندر بائیں جانب رکھا ہوا ہے۔ گوشت کا یہ لوتھڑا تو جانوروں اور مُردوں کے سینے میں بھی موجود ہوتا ہے اور ظاہری آنکھ سے اسے دیکھا بھی جا سکتا ہے اور جس چیز کو ظاہری آنکھ دیکھ سکے، جس کا تعلق ظاہری دنیا سے ہو اور جسے فنا بھی ہونا ہو اُسے عالمِ باطن کی کیا خبر ہو سکتی ہے؟ روح کو یہ نام اصطلاحی طور پر دیا گیا ہے۔
- اقبالؒ نے اسے ''خودی'' کا نام دیا ہے اور ''عرفانِ نفس'' کو آپؒ ''خودی کی پہچان'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اقبالؒ کے زیادہ تر مفسروں نے ''خودی'' کو ''روح'' سمجھنے کی بجائے ''اَنا'' سمجھ کر بہت بڑی زیادتی اور غلطی کی ہے۔ انہیں شاید یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ ''اَنا'' سے انسان اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے اور ''رُوح'' سے اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ ویسے علامہ اقبالؒ نے من، دِل اور روح کی اصطلاحیں بھی استعمال کی ہیں۔
- عام انسان اسے ضمیر کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ جب انسان کوئی گناہ یا غلط کام کرتا ہے تو روح ہی اسے ملامت کرتی ہے' کیونکہ گناہ اس کی فطرت میں نہیں۔ انسان یہ کہتا ہے کہ میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ روح کی پہچان کو ہی اصل میں عرفانِ نفس اور اقبال کے مطابق ''خودی کی پہچان'' کہا جاتا ہے اور یہی دین ہے۔

دین کے معنی ہیں ''جوہرِ انسان (روح) کی شناخت اور اس کی تکمیل''، یعنی مرتبۂ انسان کی

پہچان اوراس کے حصول کا نام دین ہے۔ دوسرے الفاظ میں خود شناسی وخود بینی وخود بانی کا نام دین ہےاور خود شناسی یہ ہے کہ انسان کی تخلیق دو چیزوں سے عمل میں لائی گئی ہے ایک چیز تو ظاہری وجود ہے جسے جسم یا تن بھی کہتے ہیں اور جسے آنکھ سے دیکھا اور ہاتھوں سے چھوا جا سکتا ہے۔ اور دوسری چیز باطن ہے جسے روح' باطن یا دل کہتے ہیں اور جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ اسے نہ تو ظاہری آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی ظاہری ہاتھوں سے چھوا جا سکتا ہے۔ اسے صرف باطن ہی کی آنکھ سے دیکھا بھالا جا سکتا ہے۔ اس کا تعلق اس ظاہری جہان سے ہرگز نہیں بلکہ اس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے۔ اس سے یہ ظاہری جسم چھن بھی جائے تو اس کو قائم رہنا ہے کہ اسے فنا نہیں ہے۔ معرفتِ الٰہی اور جمالِ خداوندی کا مشاہدہ اس کی خاص صفت ہے۔ عبادت کا حکم اسی کو ہے' ثواب وعذاب اسی کے لئے ہے' سعادت وشقاوت اسی کا مقدر ہے اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہونا ہی معرفتِ الٰہی کی چابی ہے اور یہی دین کی حقیقت ہے۔

موجودہ دور میں مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جب علمِ باطن کا کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو ان قرآنی آیات کو، جن میں علمِ باطن کے متعلق واضح اور روشن ہدایات موجود ہیں، کچھ لوگ متشابہات کہہ کر آگے گزر جاتے ہیں۔ آج کل کے دور میں یہی ہماری گمراہی کی بڑی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے ''باطن'' کو فراموش کر دیا ہے اور صرف ظاہر کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔

قرآنِ مجید میں بھی بار بار انسان کے باطن کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

- وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (الذّٰریٰت۔21)

ترجمہ: اور میں تمہارے اندر ہوں کیا تم غور سے نہیں دیکھتے۔

- وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (سورۃ ق۔16)

ترجمہ: اور ہم تو شہ رگ سے بھی نزدیک ہیں۔

- اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ۔ (الجاثیہ۔23)

ترجمہ۔ (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی

خواہشات کو الٰہ (معبود) بنالیا ہے۔

- اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ۔ (سورہ الروم۔8)

ترجمہ: کیا وہ اپنے اندر فکر نہیں کرتے۔

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے باطن کی طرف متوجہ کیا ہے:

- لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَ لَا سَمَآئِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِالْمُؤْمِنِ۔

ترجمہ: نہ میں زمین میں سماتا ہوں اور نہ آسمانوں میں لیکن بندۂ مومن کے دل میں سماجاتا ہوں۔

احادیثِ نبوی میں بھی باطن کی طرف اشارہ موجود ہے:

- بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہارے اعمال کو بلکہ وہ تمہاری نیتوں اور دلوں کو دیکھتا ہے۔
- اِنَّمَا الْعَمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

ترجمہ: عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

- قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشَ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

ترجمہ: مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔

ایسی بے شمار آیات و احادیث موجود ہیں جن میں قلب و باطن کی طرف بندہ کی توجہ دلائی گئی ہے، جو تخیل و تصور کا مرکز ہے اور اسی قلب و باطن میں ایمان ٹھہرایا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

- کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ۔ (سورۃ المجادلۃ۔22)

ترجمہ: ان کے دِلوں پر ایمان لکھا ہے۔

شیطان لعین بھی اسی باطن میں وسوسے ڈالتا ہے۔

- اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ (الناس۔5)
- ترجمہ: وہ لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی شناسائے حقیقت، رازِ پنہاں سے واقف ہستی یا کوئی مفکر پیدا ہوا ہے،

اس نے اس حقیقت کا پردہ ضرور فاش کیا ہے کہ ''عرفانِ نفس'' یا بقول اقبالؒ ''خودی کی پہچان'' سے ہی اصل آ گہی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس قرآنی حقیقت سے ضرور پردہ اٹھایا ہے کہ نہ صرف اللہ اور اس کا تخلیق کردہ یہ عالم ہی بلکہ پوری کائنات (یعنی تمام عالمین) انسانی قلب میں لطیف صورت میں موجود ہے۔ یہ کوئی محض فلسفیانہ اصول نہیں جو ذہنی لطف یا دماغی کسرت کی تشفی کے لیے گھڑا گیا ہو، یہ زندگی کی وہ حقیقت ہے جو قرآن وحدیث' انبیاء کرام اور فقرائے کاملین کی تعلیمات اور تجربے کی مضبوط بنیاد پر کھڑی ہے۔

❁ مولانا رومؒ اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے انسان سے فرماتے ہیں:

بس بصورت عَالَمِ صُغْرا توئی
پس بمعنی عَالَمِ کُبْرا توئی

ترجمہ: شکل سے تو ایک چھوٹا سا جہان ہے مگر حقیقت میں تو ایک بہت بڑا جہان ہے۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

آدمی راہست حِسِ تن سِقیم
لیک در بَاطن یکے خلق عظیم

ترجمہ: انسان جسمانی حواس کے نظریہ سے حقیر و ہیچ ہے مگر باطن میں ''عالمِ عظیم'' ہے۔

❁ خواجہ حافظ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یار باماست روز و شب حافظ
ہمچوں جانے کہ ہست در رگ وپے

ترجمہ: اے حافظ! محبوب (اللہ تعالیٰ) دن رات ہمارے ساتھ ہے جیسے زندگی ہماری رگ وپے میں ہے۔

❁ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یار در تو پس چرائی بے خبر

ترجمہ: یار تیرے اندر ہے تو کیوں بے خبر ہے۔

❁ حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ بھی جستجوئے باطنی کی اہمیت نمایاں کرتے ہوئے انسان کو مخاطب کرتے ہیں۔

آبِ حیات است اندر ظلمتِ ہستی تو
ماہی شوٗ خویش را در آبِ حیات فگن

ترجمہ: ''تیری ہستی کی تاریکی میں آبِ حیات موجود ہے تو مچھلی بن جا اور خود کو اس آبِ حیات میں ڈال دے۔ ایک اور جگہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

با معین گفت ہر سُو تابہ کے خواہی دَوِید
ہم زَخود جو' ہر چہ خواہی تابدانی کیستی

ترجمہ: اس نے معین الدین سے کہا تو کب تک ہر طرف دوڑتا پھرے گا، تجھے جو بھی چاہیے اسے اپنے اندر تلاش کرتا کہ تجھے پتہ چلے کہ تو کون ہے۔

❁ حضرت بلھے شاہؒ کے مطابق جس نے رازِ حق پایا ہے' راہِ باطن تلاش کر کے ہی پایا ہے اور جس نے یہ راز پالیا وہ آخر سکونِ حقیقی کا حقدار بن گیا اور خوشی و غم' گناہ و ثواب' حیات و موت اور ہر طرح کے امتیاز سے آزاد ہو گیا۔

جس پایا بھید قلندر دا
راہ کھوجیا اپنے اندر دا
اوہ واسی ہے سکھ مندر دا
جتھے چڑھدی اے نہ لہندی اے
ایہہ تلکن بازی ویہڑا اے
تھم تھم کے ٹرو اندھیرا اے
وڑ اندر ویکھو کیہڑا اے

کیوں خلقت باہر ڈھونڈیندی اے
منہ آئی بات نہ رہندی اے

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کی شرح میں فرماتے ہیں:

''اے انسان! تجھ سے قریب ترین اگر کوئی چیز ہے تو تیری اپنی ہی ذات ہے اس لیے اگر تو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا تو کسی دوسرے کو کیوں کر پہچان سکے گا؟ فقط یہ جان لینا کہ ''یہ میرے ہاتھ ہیں یہ میرے پاؤں ہیں، یہ میری ہڈیاں ہیں اور یہ میرا جسم ہے'' اپنی ذات کی شناخت تو نہیں ہے' اتنی شناخت تو اپنے لیے دیگر جانور بھی رکھتے ہیں۔ یا فقط یہ جان لینا کہ بھوک لگے تو کچھ کھا لینا چاہئے غصہ آجائے تو جھگڑا کر لینا چاہئے، شہوت کا غلبہ ہو جائے تو جماع کر لینا چاہئے یہ تمام باتیں تو جانوروں میں بھی تیرے برابر ہیں پھر تو ان سے اشرف و افضل کیوں کر ہوا؟ تیری اپنی ذات کی معرفت و پہچان کا تقاضا یہ ہے کہ تو جانے کہ تو خود کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا؟ اور جو تو آیا ہے تو کس کام کے لئے آیا ہے؟ تجھے پیدا کیا گیا ہے تو کس غرض کے لئے پیدا کیا گیا؟ تیری نیک بختی وسعادت کیا ہے اور کس چیز میں ہے؟ تیری بدبختی وشقاوت کیا ہے اور کس چیز میں ہے؟ اور یہ صفات جو تیرے اندر جمع کر دی گئی ہیں اور ان میں سے بعض صفات حیوانی ہیں، بعض وحشی درندوں کی، بعض شیطانی بعض جناتی اور بعض ملکوتی ہیں' تو ذرا غور تو کر کہ تو ان میں سے کون سی صفات کا حامل ہے؟ تو ان میں سے کون ہے؟ تیری حقیقت ان میں سے کس کے قریب تر ہے؟ اور وہ کون کون سی صفات ہیں جن کی حیثیت تیرے باطن میں غریب واجنبی اور عارضی ہے؟ جب تک تو ان حقائق کو نہیں پہچانے گا اپنی ذات کی شناخت سے محروم رہے گا اور اپنی نیک بختی وسعادت کا طلب گار نہیں بنے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی غذا علیحدہ علیحدہ ہے اور سعادت بھی الگ الگ ہے۔ چوپایوں کی غذا اور سعادت یہ ہے کہ کھائیں، پئیں، سوئیں اور مجامعت میں مشغول رہیں۔ اگر تو بھی یہی کچھ ہے تو دن رات اسی کوشش میں لگا رہ کہ تیرا پیٹ بھرتا رہے اور تیری شہوت کی تسکین ہوتی رہے۔ درندوں کی غذا اور سعادت لڑنے بھڑنے مرنے مارنے اور غیظ

وغضب میں ہے' شیطانوں کی غذا اور سعادت شرانگیزی اور مکروحیلہ سازی میں ہے۔ اگر تو ان میں سے ہے تو ان ہی جیسے مشاغل اختیار کر لے تاکہ تو اپنی مطلوبہ راحت ونیک بختی حاصل کر لے۔ فرشتوں کی غذا اور سعادت ذکروتسبیح وطواف میں ہے جب کہ انسان کی غذا اور سعادت قربِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کے انوارِ جمال کا مشاہدہ ہے۔ اگر تو انسان ہے تو کوشش کر کہ تو ذاتِ باری تعالیٰ کو پہچان سکے اور اس کے انوار و جمال کا مشاہدہ کر سکے اور اپنے آپ کو غصہ اور شہوت کے ہاتھ سے رہائی دلا سکے اور تو طلب کرے تو اس ذاتِ یکتا کو کرے تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ تیرے اندر ان حیوانی وبہیمی صفات کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اور تجھ پر یہ حقیقت بھی منکشف ہو جائے کہ پیدا کرنے والے نے ان صفات کو تیرے اندر جو پیدا کیا ہے تو کیا اس لیے کہ وہ تجھے اپنا اسیر بنا لیں اور تجھ پر غلبہ حاصل کر کے خود فاتح بن جائیں؟ یا اس لیے کہ تو ان کو اپنا اسیر و مسخر بنا لے اور خود ان پر غالب آجائے اور اپنے ان اسیروں اور مفتوحین میں سے کسی کو اپنے سفر کا گھوڑا بنا لے اور کسی کو اپنا اسلحہ بنا لے تاکہ یہ چند دن جو تجھے اس منزل گاہِ فانی میں گزارنا ہیں، ان میں اپنے ان غلاموں سے کام لے کر اپنی سعادت کا بیج حاصل کر سکے اور جب سعادت کا بیج تیرے ہاتھ آجائے تو تُو ان کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوا اپنی اس قرارگاہِ سعادت میں داخل ہو سکے جسے خواص کی زبان میں ''حضورِ حق'' کہا جاتا ہے۔ یہ تمام باتیں تیرے جاننے کی ہیں۔ جس نے ان کو نہ جانا وہ راہِ دین سے دور رہا اور لامحالہ دین کی حقیقت سے حجاب میں رہا۔'' (کیمیائے سعادت)

❁ شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اے طالب تو پہچان اپنی ذات کو۔ کون ہے تو اور کیا ہے حقیقت تیری اور کیا ہے تیری نسبت حق تعالیٰ کی طرف اور کس وجہ سے تو حق ہے اور کس وجہ سے تو عالم (جہان) ہے۔'' (شرح فصوص الحکم والایقان)

عرفانِ نفس کے بارے میں علامہ اقبالؒ کا نظریہ تمام صوفیاء کرام، عارفین اور خاص کر سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ سے مماثلت رکھتا ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں ''روح'' کو ''خودی'' اور عرفانِ نفس کو ''خودی کی پہچان'' کا نام دیا ہے لیکن آپ رحمتہ اللہ علیہ نے

اپنے کلام میں کہیں موقع کے اعتبار سے روح، من اور دِل کی اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں۔

حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل انسان 'روح' ہی ہے، وہی مسجودِ ملائکہ بنی۔

سجدہ گاہِ کیست ایں از من مپرس
بے خبر! رودادِ جاں از تن مپرس

ترجمہ: یہ (روح) کس کی سجدہ گاہ ہے؟ یہ تو مجھ سے مت پوچھ۔ اے بے خبر! روح کی کہانی جسم سے نہ پوچھ۔ انسانی روح کو فرشتوں نے سجدہ کیا تھا' یعنی انسانی بدن میں جو روح ہے' وہی مسجودِ ملائکہ بنی۔ ابلیس اس انسانی وجود کو نہ پہچان سکا اس نے انسان کو مٹی گارے کا معمولی پُتلا سمجھا اسی لیے گمراہ ہو گیا اور مردود ٹھہرا جبکہ جبرائیل علیہ السلام، جنہوں نے انسان کے اندر موجود حقیقت کو پہچان لیا اور سب سے پہلے سجدہ میں گر گئے، سردارِ ملائکہ بنے۔

اب رحمِ مادر میں جب بچے کی صورت اور جسم مکمل طور پر تیار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں اُسی روح کو داخل کرتا ہے تو جسم کا ہر عضو حرکت کرنے لگتا ہے اور اس وقت تک حرکت میں رہتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور موت کے وقت پھر روح کو جسم سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔

1۔ بجاں پوشیدہ رمزِ کائنات است
بدن حالے ز احوالِ حیات است

2۔ عروسِ معنی از صورت حنابست
نمود خویش را پیرایہ ہا بست

3۔ حقیقت روئے خود را پردہ باف است
کہ او را لذتے در انکشاف است

ترجمہ: 1. کائنات یعنی اللہ تعالیٰ کا راز روح میں پوشیدہ ہے' جسم زندگی کے حالات میں سے ایک (عارضی) حال ہے۔ 2. روح نے صورت (ظاہری جسم) کی مہندی لگائی اور اپنے اظہار کے لیے مختلف قسم کے لباس پہنے۔ 3. حقیقت (اللہ تعالیٰ) اپنے چہرے (یعنی روح) کے لیے (جسم کا)

پردہ بُنتی ہے یا پردہ بُننے والی ہے' اس کے لیے انکشاف میں لذت ہے' گویا روح جسم میں پوشیدہ رہ کر ہی اپنے اظہار کے ذریعے لذت حاصل کرتی ہے تاکہ اس کے راز کو تلاش کیا جا سکے۔

سخن از بود و نابودِ جہاں با من چہ می گوئی
من ایں دانم کہ من ہستم، ندانم ایں چہ نیرنگ است

ترجمہ: مجھ سے اس دنیا کے ہونے یا نہ ہونے (یعنی فانی یا باقی ہونے) کے بارے میں کیوں بات کرتے ہو۔ مجھے تو بس یہ معلوم ہے کہ میرے وجود (روح) کو بقا ہے، میرے اردگرد یہ ظاہری رنگا رنگی کیسی ہے یہ مجھے نہیں معلوم۔

پہلے خود کو جاننا اور پہچاننا ضروری ہے۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے' اسے دیکھنا بعد کی بات ہے یعنی پہلے اپنی خودی کو پہچان اور پھر دنیا کے لیے کام کر۔ تب تیرا کام اللہ کی رضا کے مطابق ہوگا۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ اپنے پورے کلام میں خودی کی حقیقت بیان کرتے اور خودی (من، دِل، روح) کی پہچان حاصل کرنے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں' کیونکہ خودی کی پہچان (عرفانِ نفس) کے بغیر انسان کی مثال حیوان کی سی ہے۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور' دل کا نور نہیں

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن' اپنا تو بن

دِل بینا۔ زندہ روح جس کو نورِ بصیرت حاصل ہے جس کی مدد سے وہ اللہ کا دیدار کر سکتی ہے۔

سراغِ زندگی۔ حیات کا راز۔ یعنی اصل حیّ و قیوم ذات اللہ کی ہے، وہی تیری حیات کی وجہ ہے، تیرے اندر اصل وجود وہ ہے۔ اسے اپنے اندر تلاش کر اور پا لے۔

- من کی دنیا! من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا! تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے' آتا ہے دَھن جاتا ہے دَھن

- دل میں ہو سوزِ محبت کا وہ چھوٹا سا شرر
نور سے جس کے ملے رازِ حقیقت کی خبر

- خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی تو بے لذتِ نیاز نہیں

- عرش کا ہے' کبھی کعبے کا ہے دھوکہ اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی! مرا کاشانۂ دل

سوز و مستی۔ عشقِ الٰہی کا درد اور اس میں محو رہنے کی مستی۔

جذب۔ فقراء کا ایک روحانی حال جس میں وہ مشاہدۂ حق تعالیٰ میں محو ہو کر سب کچھ بھول جاتے ہیں اور جہان سے بے خبر ہوتے ہیں۔

شوق۔ دیدارِ حق تعالیٰ کی مزید خواہش جسے فقراء ھَل مِنۡ مَّزِیۡد (مزید اور) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

سود و سودا۔ فائدے و نقصان پر مبنی کاروبار

مکر و فن۔ دھوکہ بازی اور مکاری

شرر۔ عشقِ حقیقی کی چنگاری

کبر و ناز۔ تکبر، فخر و غرور

بے لذتِ نیاز۔ عاجزی و انکساری کی لذت کے بغیر۔ روح کو جب اپنی حقیقت یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق کی پہچان حاصل ہوتی ہے تو وہ خوشی سے سرشار ہو کر شوخ ہو جاتی ہے لیکن اپنے بلند رتبے پر تکبر ہرگز نہیں کرتی۔ اگر اسے اپنے اس اعلیٰ مقام پر فخر ہو تو بھی اس میں عاجزی شامل ہوتی ہے۔

کاشانہ۔ گھر

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

خودی وہ بحر ہے، جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آبجو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تری زندگی اِسی سے، تری آبرو اِسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

خودی میں گم ہے خدائی، تلاش کر غافل
یہی ہے تیرے لیے اب صلاحِ کار کی راہ

نہ ہے ستارے کی گردش نہ بازیِ افلاک
خودی کی موت ہے تیرا زوالِ نعمت و جاہ

دیدۂ دل۔ روح کی آنکھیں۔ نورِ بصیرت۔ اللہ کا دیدار ظاہری آنکھوں سے ممکن ہی نہیں۔

بحر۔ سمندر

آبجو۔ چشمہ۔ ندی

بادِ صبح گاہی۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا

خودی کے عارف۔ اپنی روحانی و باطنی حقیقت کو جاننے اور پہچاننے والے۔ فقر کی اصطلاح میں عارف وہ ہے جو اللہ کو دیکھ کر اس کی عبادت کرتا ہے۔

پادشاہی۔ بادشاہی۔ شاہی۔

روسیاہی۔ ذلت اور خواری۔ جو اپنی خودی کو پہچان کر اپنے اندر پوشیدہ ذاتِ حق سے تعلق نہیں جوڑتا وہ دنیاوی حکمرانوں اور دیگر لوگوں سے امیدیں باندھتا اور ان کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوتا ہے۔

صلاحِ کار۔ تیرے تمام دنیاوی اور اخروی معاملوں کی بہتری۔

بازیِ افلاک۔ آسمان کی گردش سے دنیا میں تبدیلی پیدا ہونا۔

زوالِ نعمت و جاہ۔ دنیا میں عزت اور شان و شوکت سے محرومی۔

غافل نہ ہو خودی سے، کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تُو بھی ہے آستانہ

خودی ہو علم سے مُحکم تو غیرتِ جبریلؑ
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیلؑ

تو اے اسیرِ مکاں! لامکاں سے دور نہیں
وہ جلوہ گاہ تیرے خاک داں سے دور نہیں

اے بشری جسم میں مقید انسان اللہ تعالیٰ کی ذات تجھ سے دور نہیں بلکہ اے خاکی انسان غور کر اللہ تعالیٰ کا جلوہ تجھ ہی میں ہے۔

حرم۔ پاکیزہ گھر

آستانہ۔ چوکھٹ، دہلیز

محکم۔ مضبوط پائیدار

غیرتِ جبرئیلؑ۔ فرشتوں جیسی پاکیزہ اور نورانی۔ اگر علم کے ذریعے خودی کی پہچان حاصل کی جائے تو انسان فرشتوں کے اعلیٰ مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ فرشتے اللہ کے سوا کسی سے نہ کوئی طلب رکھتے ہیں نہ تعلق اس لیے ان کی غیرت کا حوالہ دیا۔

صورِ اسرافیلؑ۔ حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے تو قیامت قائم ہوگی اور مردے قبروں سے نکل آئیں گے۔ اگر عشقِ حقیقی کی قوت کے ذریعے خودی کی پہچان حاصل کی جائے تو انسان کی زندہ روح اس کے جسم کی قبر سے آزاد ہو جاتی ہے اور موت سے پہلے اپنے ربّ سے ملاقات کرتی ہے یعنی اس کیلئے قیامت سے پہلے ہی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔

اسیرِ مکان۔ چار اطراف میں قید۔ کائنات میں قید

لامکاں۔ عالمِ لاھوت جہاں اللہ کی ذات کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔

جلوہ گاہ۔ دیدارِ الٰہی کا مقام

خاک داں۔ خاکی جسم۔ یعنی اسی خاکی جسم کے اندر اللہ کی ذات کا وجود اور جلوہ موجود ہے۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائیؐ
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقامِ رنگ و بُو کا راز پا جا

حکیمی، نامسلمانی خودی کی
کلیمی، رمزِ پنہانی خودی کی
تجھے گُر فقر و شاہی کا بتا دوں
غریبی میں نگہبانی خودی کی

جلوتوں۔محفلوں

مصطفائیؐ۔مجلسِ محمدی۔خودی کی پہچان حاصل کرنے والوں کو مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حضوری حاصل ہوتی ہے۔

خلوتوں۔تنہائیوں

کبریائی۔ ذاتِ حق تعالیٰ۔یعنی خودی کی پہچان حاصل کرنے والوں کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات حاصل ہوجاتی ہے۔

مقامِ رنگ وبو۔کائنات

حکیمی۔دانائی،فلسفیانہ خیالات

نامسلمانی۔ لادینی۔یعنی اگر عقل و دانش اور فلسفے کے ذریعے انسان کی ذات میں پوشیدہ ذاتِ حق تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ اللہ عقل سے ماوراہے۔ایسا کرنے والا شخص انسان کے باطن میں اللہ کی موجودگی کو رد کرتا ہے جو نامسلمانی یا لادینی ہے۔

کلیمی۔اللہ سے گفتگو

رمزِ پنہانی۔ چھپا ہوا راز۔انسان ہمیشہ اللہ سے ہم کلام ہونے کے لیے اپنے باطن میں متوجہ ہوتا ہے۔اسے اللہ سے دعا مانگنے یا بات کرنے کے لیے کہیں اور نہیں جانا پڑتا۔یہی حقیقت اس راز سے پردہ اٹھاتی ہے کہ اللہ انسان کے باطن میں موجود ہے۔

گُر۔طریقہ

نگہبانی۔حفاظت۔خودی کی حفاظت یہ ہے کہ کبھی کسی بھی حال میں غیر اللہ سے امیدیں وابستہ نہ کی جائیں۔

یہ موجِ نفس کیا ہے؟ تلوار ہے
خودی کیا ہے؟ تلوار کی دھار ہے

خودی کیا ہے؟ رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے؟ بیداریٔ کائنات

خودی جلوۂ بدمست و خلوت پسند
سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

خودی شیرِ مولا، جہاں اس کا صید
زمین اس کی صید، آسماں اس کا صید

خودی کا نشیمن ترے دِل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تِل میں ہے

خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں

موجِ نفس۔ آتے جاتے سانس کی لہر۔

رازِ درونِ حیات۔ انسان کی زندگی کا چھپا ہوا راز۔ خودی، یعنی انسان کا باطن یا روح، کا تعلق اللہ تعالیٰ سے وہی ہے جو قطرے کا سمندر سے۔ اللہ نے اپنی ہی ذات کے اظہار کے لیے انسان اور تمام مخلوق کو تخلیق کیا یعنی حیات کا راز خودی کی صورت میں اللہ کی ذات کا اظہار ہے۔

بیداریٔ کائنات۔ خودی کی بدولت ہی یہ کائنات تخلیق ہوئی اور اس کائنات کی بیداری یعنی ہلچل اور حرکت خودی ہی کی وجہ سے ہے۔

جلوۂ بدمست۔ خودی نورِ الٰہی کا جلوہ ہے جو اپنی حقیقت یعنی حق تعالیٰ کے عشق میں مست ہے۔

صید۔ شکار

نشیمن۔ گھر، ٹھکانہ

طلسمِ رنگ و بو۔ کائنات کا جادو۔ خودی یعنی انسان کی روح جب عشقِ حقیقی کی قوت حاصل کر لیتی ہے تو اس کائنات کی حدوں کو توڑ کر لاہوت لامکان میں پہنچ کر دیدار و وصالِ الٰہی پا لیتی ہے اور یہی اصل توحید ہے۔

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود تیرا
وجود کیا ہے؟ فقط جوہرِ خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

خودی کی پہچان سے محروم انسان کو اقبالؒ مردہ تصور کرتے ہیں۔

ترا تن روح سے نا آشنا ہے
عجب کیا! آہ تیری نارسا ہے
تنِ بے روح سے بیزار ہے حق
خدائے زندہ' زندوں کا خدا ہے

جب نوجوانوں کو خودی کی پہچان حاصل ہو جاتی ہے اور روح کو طاقتِ پرواز مل جاتی ہے تو اُن کو اپنی منزل (آسمانوں) عالمِ لاہوت میں ذاتِ حق کے دیدار کی صورت میں نظر آتی ہے۔

نمود۔ علامت، اظہار۔ انسان کا ظاہری وجود صرف خودی کے اظہار کا آلہ ہے۔ اگر جسم سے صفاتِ الٰہیہ، جو خودی کی وجہ سے انسان میں موجود ہیں، کا اظہار نہیں ہوتا تو وجود صرف حیوانی جسم بن کر رہ جاتا ہے۔

نا آشنا۔ ناواقف۔ یعنی تیرے جسم کا تیری روح سے کوئی رابطہ ہی نہیں۔ تیری روح کی حقیقی صفات یعنی اللہ تعالیٰ کا عشق، تڑپ، جنون وغیرہ تیرے جسم سے ظاہر نہیں ہوتیں لہٰذا تو اپنی روح سے دور اور نا آشنا ہے۔

نارسا۔ بے اثر، مراد کو نہ پہنچنے والی

تنِ بے روح۔ روح کے بغیر جسم۔ مردہ۔ جب انسان صرف اپنے جسم کی پرورش کرتا ہے اور روح، جو اللہ سے وصال کے لیے تڑپتی ہے، کی خواہشات و ضروریات پر کوئی توجہ نہیں دیتا تو جسم کے اندر روح پژمردہ ہو جاتی ہے ایسے انسان کو علامہ اقبالؒ تنِ بے روح فرما رہے ہیں۔

حق۔ اللہ تعالیٰ۔

خدائے زندہ۔ حی و قیوم ذاتِ حق تعالیٰ۔

زندوں۔ اقبالؒ کے نزدیک 'زندہ' صرف وہ انسان ہے جس کی روح زندہ ہے۔ زندہ روح کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ کو دیکھتی ہے اس کا کلام سنتی اور اس سے کلام کرتی ہے۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں

خودی کی پہچان (دیدارِ الٰہی) کی منزل تک بتدریج کسی مرشدِ کامل کی زیرِ نگرانی پہنچا جا سکتا ہے۔

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگراں اور
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا
ہیں بحرِ خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے

عقابی روح۔ روح کی بلند پروازی کی صفت کی وجہ سے اقبالؒ اسے عقابی روح فرما رہے ہیں۔

بیدار۔ جاگتی ہے یعنی جب انسان میں اللہ کا عشق اور اس کو پا لینے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔

آسمانوں۔ یہاں آسمانوں سے مراد عالمِ لاھوت لامکاں ہے جہاں پہنچنے کے بعد روح کو اللہ کا دیدار اور قرب نصیب ہوتا ہے۔

بتدریج۔ آہستہ آہستہ

چشمِ نگراں۔ دیکھنے والی آنکھ، یعنی جب دل میں اللہ کو پا لینے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے تو روح بیدار ہوتی ہے اور قربِ حق کا سفر طے کرتی ہے۔ روح جب مکمل بیدار ہو جاتی ہے تو اس کی آنکھیں نورِ بصیرت پا لیتی ہیں۔

احوال و مقامات۔ قربِ حق کے سفر میں بندے کی کیفیات اور مقاماتِ قرب ہر لمحہ بدل رہے ہوتے ہیں۔

موقوف۔ منحصر

لحظہ۔ لمحہ

سالک۔ راہِ قربِ حق کا مسافر

زماں۔ وقت

مکاں۔ مقام

افکار۔ خیالات

بحرِ خودی۔ خودی کا سمندر۔ انسانی باطن سمندر سے بھی وسیع اور گہرا ہے۔

کھلتے نہیں اس قلزمِ خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضربِ کلیمیؑ سے نہ چیرے

❁ تری نجات غمِ مرگ سے نہیں ممکن
کہ تو خودی کو سمجھتا ہے پیکر خاکی

اقبالؒ بشری اور روحانی جسم میں سے روحانی جسم کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی زندگی کو ہی زندگی گردانتے ہیں۔

❁ دِل کی آزادی شہنشاہی، شِکم سامانِ موت
فیصلہ ترا ترے ہاتھوں میں ہے، دِل یا شکم

❁ عشقِ بتاں سے ہاتھ اٹھا' اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش و نگارِ دِیر میں خونِ جگر نہ کرتلف

قلزم۔ نہایت گہرا سمندر
اسرار۔ چھپے ہوئے راز
ضربِ کلیمیؑ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا پر اپنا عصا مارا جس سے دریا دو حصوں میں بٹ گیا اور اس میں راستہ بن گیا۔ یعنی خودی کے سمندر میں راستہ بنانے اور اس میں اترنے کے لیے ایسی ہی قوت والی ضرب کی ضرورت ہے۔ مراد ذکرِ پاس انفاس۔
غمِ مرگ۔ مرنے کا غم۔
پیکرِ خاکی۔ جسم۔ تو خود کو صرف جسم سمجھتا ہے۔
شِکم۔ پیٹ۔ جسم اور پیٹ کی خواہشات پوری کرنے کے لیے انسان دِن رات مارا مارا پھرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے رزق کی فکر سے آزاد کر دیا ہے اسی پیٹ کے چکر میں وہ اپنے ربّ کو بھی بھلا بیٹھا ہے اور اپنی روح کی خواہشات کی بھی کوئی فکر نہیں کرتا جس کی وجہ سے اس کی روح مر جاتی ہے اور اللہ سے کوئی تعلق پیدا کرنے کے لائق نہیں رہ جاتی۔
عشقِ بتاں۔ ظاہری جسموں سے عشق۔
ہاتھ اٹھا۔ چھوڑ دے۔
نقش ونگارِ دِیر۔ دنیا کی ظاہری خوبصورتیاں۔
تلف۔ ختم۔ دنیا کی فانی لذتوں کے حصول کی خاطر اپنی جان مت جلا۔ حسنِ حقیقی یعنی اللہ کی طرف رجوع کر۔

خودی کا سِرِّ نہاں لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ
خودی ہے تیغِ فساں لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ

روح اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی
زندگانی کے لیے نارِ خودی نور و حضور

اگر زبان نے "لَآ اِلٰـہَ" کہہ بھی دیا تو اُس سے کچھ فرق نہیں پڑتا اصل مرحلہ تو تصدیقِ قلب کی منزل تک پہنچنا ہے۔

خرد نے کہہ بھی دیا لَآ اِلٰـہَ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

اگر دِل بیدار اور زندہ ہو جائے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ اور حیدرِ کرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صفات کا حامل ہوتا ہے۔

دِل بیدار فاروقیؓ، دِل بیدار کراریؓ
مِسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دِل کی بیداری

سِرِّ نہاں۔ چھپا ہوا راز
تیغِ فساں۔ تیز دھار تلوار
نورِ خودی۔ اللہ تعالیٰ کا جمال
نارِ خودی۔ اللہ تعالیٰ کا جلال
نارِ خودی نور و حضور۔ اللہ کے جلال کی تجلی سے جب نفس فنا ہوتا ہے تو انسان کی ذات میں صرف نورِ حق باقی رہ جاتا ہے اور اسے حضورِ حق حاصل ہو جاتا ہے جو دائمی زندگانی ہے۔

خرد۔ عقل
مرضِ کہن۔ پرانا دائمی مرض
چارہ۔ علاج
مِس۔ تانبا، یہاں مراد عام انسان ہے
کیمیا۔ تانبے کو سونے میں بدلنے کا طریقہ۔ یعنی دل میں اگر عشقِ حق تعالیٰ پیدا ہو جائے تو وہ عام انسان کو اللہ کی بارگاہ میں خاص بنا دیتا ہے۔

دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری

ہندوستان (اور آج کے دور میں پاکستان) کے مدرسوں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے بارے میں آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اقبالؒ! یہاں نام نہ لے علمِ خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات
بہتر ہے کہ بیچارے مموُلوں کی نظر سے
پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات

مسلمانوں میں خودی کی پہچان کا جذبہ نہ رہا اور صرف ظاہر اور بشری وجود ہی رہ گیا اور روح مردہ ہوگئی۔

خودی کی موت سے مغرب کا اندرُوں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام
خودی کی موت سے روحِ عرب ہے بے تب وتاب
بدن عراق و عجم کا ہے بے عروق و عِظام

خوابیدہ۔ سویا ہوا دل۔ جذبۂ عشق سے خالی دل
ضرب۔ وار، یعنی ہر عمل اور ہر عبادت
کاری۔ موثر۔ اثر رکھنے والی۔
موزوں۔ مناسب
مقالات۔ تحریریں، باتیں
ممولا۔ ایک چھوٹا سا پرندہ جو زیادہ اونچا اڑ نہیں سکتا
پوشیدہ۔ چھپے۔ باز۔ شاہین

اندرُوں۔ باطن، روح، ضمیر۔
مبتلائے جذام۔ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا
بے تب وتاب۔ بغیر نور اور روشنی کے، بے ضمیر، جذبوں کے بغیر۔
عجم۔ غیر عرب ممالک۔
بے عروق۔ خون کی رگوں کے بغیر۔
عِظام۔ ہڈیاں۔

خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام
خودی کی موت سے پیرِ حرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھائے مسلمانوں کا جامۂ احرام

اقبالؒ اپنی فارسی شاعری میں بھی خودی کی پہچان حاصل کرنے اور دل کو زندہ کرنے کا درس دیتے ہیں:

اے ترا ہر لحظ فکرِ آب و گِل
از حضورِ حق طلب یک زندہ دل

ترجمہ: تجھے ہر لحہ فکرِ معاش ہی رہتا ہے' اللہ تعالیٰ سے ایک زندہ دل طلب کر۔

روح باحق زندہ و پائندہ ایست
ورنہ ایں را مردہ آں را زندہ ایست

ترجمہ: حضورِ حق میں رہنے والی روح ہی زندہ ہے' ورنہ تو خدا کے نزدیک مردہ ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ انسان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اپنی خودی کو زندہ کر اور خودی ایک ایسا راز ہے جو کائنات کے ہر راز سے واقف ہے۔

تو شمشیری ز کامِ خود بروں آ
بروں آ از نیامِ خود بروں آ

ہندی۔ ہندوستان کے رہنے والے۔

شکستہ بال۔ ٹوٹے ہوئے پر۔ یعنی وہ غلام ہونے کی وجہ سے آزادی سے اُڑ نہیں سکتے اور ان کی غلامی کی وجہ ان میں خودی کی موت ہے۔

قفس۔ پنجرہ، قید خانہ۔

آشیانہ۔ اپنا گھر۔

پیرِ حرم۔ مسلمانوں کا مذہبی رہنما اشارہ مُلّا واعظ اور مولوی کی طرف ہے۔

جامۂ احرام۔ وہ لباس جو مسلمان حج یا عمرہ کرتے وقت پہنتے ہیں۔ یعنی خودی کی موت کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہبی رہنما ہر طرح کا حرام اور غلیظ کام کر لیتے ہیں۔

نقاب از ممکناتِ خویش برگیر
مہ و خورشید و انجم را بہ برگیر

ترجمہ: تیری خودی اگر ظاہر ہو جائے تو تلوار ہے، اپنی نیام سے باہر آ۔ یعنی بشری جسم کے جال سے نکل اور خودی کی پہچان حاصل کر۔ اپنے ممکنات (بشری حجابات) سے نقاب ہٹا دے اور یوں چاند سورج اور ستاروں کو اپنے پہلو میں لے لے۔

1) خودی از کائناتِ رنگ و بو نیست
حواسِ ما میانِ ما و او نیست

2) نگہ را در حریمش نیست راہے
کنی خود را تماشا بے نگاہے

ترجمہ: (1) خودی کا تعلق اس ظاہری اور مادی دنیا سے نہیں ہے۔ ہمارے حواس (حواسِ خمسہ) اس (اللہ تعالیٰ) کے اور ہمارے درمیان حائل ہیں۔ (2) ہماری ظاہری آنکھ خودی کے حجابات کو نہیں چیر سکتی۔ تو اپنی خودی کا دیدار ظاہری آنکھ کے بغیر (صرف باطنی آنکھ کے ذریعے) کر۔

اگر چشمے کشائی بر دلِ خویش
درونِ سینہ بینی منزلِ خویش

ترجمہ: اگر تو اپنے دل پر نظر ڈالے تو سینے میں ہی اپنی منزل (اللہ تعالیٰ) کو پالے گا۔

1۔ خودی تا ممکناتش وا نماید
گرہ از اندرونِ خود کشاید

2۔ ازاں نورے کہ وابیند نداری
تو او را آنی و فانی شماری

3۔ ازاں مرگے کہ می آید چہ باک است
خودی چوں پختہ شد از مرگ پاک است

ترجمہ: 1. خودی اپنے اظہار کے لیے اپنے اندر کی بندشوں کو توڑ ڈالتی ہے۔ 2. خودی وہ نور ہے جس سے ہر چیز واضح نظر آتی ہے اور تو خودی کو عارضی اور فانی سمجھتا ہے، یعنی تجھے خودی کی حقیقت ہی معلوم نہیں ہے۔ 3. جو موت اس بشری جسم کو آتی ہے اس سے کیا ڈرنا۔ خودی کو اپنی پہچان جب حاصل ہو جاتی ہے تو وہ موت سے پاک ہو جاتی ہے یعنی وہ جاودانی ہو جاتی ہے (اگر یقین نہیں ہے تو فقرا کے مزاروں پر جلتے ہوئے چراغ دیکھ لے)

1۔ چوں از خود گردِ مجبوری فشاند
جہانِ خویش را چوں ناقہ راند

2۔ نگردو آسماں بے رخصت او
نہ تابد اخترے بے شفقت او

3۔ قطارِ نوریاں در رہ گذار است
پے دیدار او در انتظار است

4۔ شراب افرشتہ از تاکش بگیرد
عیارِ خویش از خاکش بگیرد

ترجمہ: 1. جب خودی اپنی پہچان حاصل کر لیتی ہے، تو وہ بشری جسم کی طرح مجبور و بے بس نہیں رہتی پھر وہ دنیا کو اونٹنی کی طرح ہانکتی ہے۔ یعنی دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتی ہے۔ 2. آسمان بھی اس کی اجازت کے بغیر گردش نہیں کرتا اور کوئی ستارہ اس کی شفقت کے بغیر نہیں چمکتا یعنی تمام کائنات اس کے تابع فرمان ہو جاتی ہے۔ 3. فرشتے اس کی راہ میں قطار در قطار دیدار کے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں۔ 4. فرشتہ اس کے تاک سے شراب حاصل کرتا ہے اور اپنی قدر و قیمت اس کی خاک (بشری وجود) سے حاصل کرتا ہے۔

اسی مقام کے بارے میں اقبالؒ نے فرمایا:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

خودی ز اندازہ ہائے ما فزون است
خودی زاں کل کہ تو بینی فزوں است

ترجمہ: خودی کا مقام ہمارے اندازوں سے بڑھ کر ہے، خودی کُل کائنات اور ان تمام عالموں سے بھی بڑھ کر ہے جنہیں تو ظاہری آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔

تومی گوئی مرا از ''من'' خبر کن
چہ معنی دارد ''اندر خود سفر کن''؟
ترا گفتم کہ ربط جان و تن چیست
سفر در خود کن و بنگر کہ ''من'' چیست

ترجمہ: تو یہ کہتا ہے کہ مجھے من کے بارے میں بتا اور یہ بتا کہ اپنے اندر سفر کرنے سے کیا مراد ہے؟ میں نے تجھے بتایا تھا کہ روح و جسم کا باہمی ربط کیا ہے، تو اپنے اندر سفر کر اور دیکھ لے کہ ''من'' کیا ہے۔

خودی تعویذِ حفظِ کائنات است
نخستیں پرتو ذاتش حیات است

ترجمہ: خودی کائنات کے تحفظ کا تعویذ ہے اور اس (اللہ تعالیٰ) کی ذات کا پہلا اظہارِ حیات ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ میں اپنے اظہار کا شوق پیدا ہوا تو سب سے پہلے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں خود کو ظاہر کیا اور نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مخلوق کو پیدا کیا۔

بینی جہاں را خود را نبینی
تا چند ناداں غافل نشینی؟

ترجمہ: تو دنیا کو دیکھتا ہے، لیکن خود کو نہیں پہچانتا، تو کب تک اپنی ہستی سے غافل رہے گا؟

بجانِ من کہ جاں نقش تن انگیخت
ہوائے جلوہ ایں گل را دو رو کرد
ہزاراں شیوہ دارد جانِ بے تاب
بدن گردو چو بایک شیوہ خو کرد

ترجمہ: میری روح نے جب خود ہی جسم کا نقش ابھارا تو جلوہ (حق) ظاہر ہونے کی خواہش نے اس پھول (انسان) کو دو رُخ (جسم اور روح) عطا کر دیئے۔ یوں جسم اور روح دو الگ الگ وجود نظر آنے لگے جبکہ دونوں کی بنیاد ایک روح ہی ہے گویا بدن روح ہی کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ بے قرار جان کے ہزاروں انداز یا طور طریقے ہیں لیکن اگر یہ صرف ایک ہی انداز اختیار کرنے کی عادت ڈال لے تو بدن کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یعنی روح اگر عشقِ الٰہی کی تڑپ سے عاری ہو جائے تو بدن اس پر حاوی آ جاتا ہے۔

در جہانِ دل ما دورِ قمر پیدا نیست
انقلابیست ولے شام و سحر پیدا نیست

ترجمہ: ہمارے دل (باطن) کی دنیا زمان و مکاں (Time and space) سے آزاد ہے۔ اس میں شام وسحر نہیں ہے۔ ہر لحہ ایک انقلاب ہے۔

عارفین اور فقراء نے انسانوں کو اپنی ذات کی پہچان کا درس دیا ہے کیونکہ جب انسان اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے تو اسی راستہ سے اللہ تعالیٰ کی پہچان نصیب ہوتی ہے۔ انسان کی روح، قلب، من، باطن، خودی اور ضمیر کا قفل کھولنے والی اور نورِ بصیرت پیدا کرنے والی کلید ذکر و تصور ''اسمِ اَللّٰہُ ذات'' ہے۔

عرفانِ نفس (خودی کی پہچان یا خودی کے راز) تک پہنچنے کے لیے ذکر اور تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات ضروری اور لازمی ہے۔ اس سے باطن میں دو انتہائی مقامات 'دیدارِ حق تعالیٰ' اور 'مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضوری' حاصل ہوتے ہیں جو کہ کسی دوسرے ذکر سے حاصل نہیں ہوتے۔ باطن میں اِن دو مقامات سے اعلیٰ کوئی مقام نہیں یعنی تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات تمام باطنی علوم کا معدن[1] اور مخزن[2] ہے۔

''اَللّٰہُ'' اسمِ ذات ہے اور ذاتِ سبحانی کے لیے خاص الخاص ہے علماء راسخین کا قول ہے کہ یہ اسمِ مبارک نہ تو مصدر ہے اور نہ مشتق یعنی یہ لفظ نہ تو کسی سے بنا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی لفظ بنتا ہے اور نہ اس اسمِ پاک کا مجازاً اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے اسماء مبارک کا کسی دوسری جگہ مجازاً اطلاق کیا جاتا ہے۔ گویا یہ اسمِ پاک اس قسم کے کسی بھی اشتراک اور اطلاق سے پاک، منزہ و مبرا ہے۔ اللہ پاک کی طرح اسمِ اَللّٰہُ بھی احد، واحد اور ''لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ'' ہے۔

---

[1] جہاں سے تمام علوم نکلتے ہیں۔ [2] خزانہ کی جگہ جہاں تمام خزانہ جمع ہو۔

یہ اَللّٰہ کا ذاتی نام ہے جس کے ورد سے بندے کا اپنے رب سے خصوصی تعلق قائم ہوتا ہے۔ عارف باللہ فقراء کے نزدیک یہی اسمِ اعظم ہے۔ یہ نام تمام جامع صفات کا مجموعہ ہے کہ بندہ جب اللہ کو اس نام سے پکارتا ہے تو اس میں تمام اسمائے صفات بھی آجاتے ہیں گویا وہ ایک نام لے کر اسے محض ایک نام سے نہیں معناً تمام اسمائے صفات کے ساتھ پکار لیتا ہے یہی اس اسم کی خصوصیت ہے جو کسی اور اسم میں نہیں ہے۔

امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے اس نکتہ کی وضاحت بہت خوبصورت الفاظ میں کی ہے:

''بے شک جب تو نے اللہ تعالیٰ کو صفتِ رحمت کے ساتھ پکارا یعنی رحمٰن یا رحیم کہا تو اس صورت میں تو نے صفتِ رحمت کا ذکر کیا صفتِ قہر کا نہیں، یونہی صفت علم کے ساتھ یا علیم کہہ کر پکارا تو صرف صفتِ علم کا ذکر کیا صفتِ قدرت کا نہیں لیکن جب تو نے اَللّٰہُ کہا تو گویا تمام صفات کے ساتھ اسے پکار لیا کیونکہ الہ ہوتا ہی وہ ہے جو تمام صفات سے متصف ہو''۔ (تفسیر کبیر۔1-85)

کسی چیز کی پہچان اور اس سے رابطے کا ذریعہ اس کا نام ہوتا ہے۔ نام بھی دو قسم کے ہوتے ہیں؛ ا۔ ذاتی ۲۔ صفاتی۔ ایک شخص جس کا نام ''نوید'' ہے اگر اس نے حکمت کا علم سیکھ رکھا ہے تو وہ حکیم نوید کہلائے گا۔ اگر اس نے قرآن مجید حفظ کر رکھا ہے تو وہ حافظ نوید کہلائے گا اور اسی طرح اگر اس نے حج کر رکھا ہے تو حاجی نوید کہلائے گا۔ غرض جتنی صفات سے وہ متصف ہوتا چلا جائے گا اتنے ہی صفاتی نام اس کے اصل نام ''نوید'' کے ساتھ لگتے چلے جائیں گے۔ اس صورت میں نوید اس کا ذاتی نام ہے اور حکیم، حافظ، حاجی وغیرہ اس کے صفاتی نام ہیں کیونکہ یہ نام بعد میں اس کے ساتھ اس وقت لگے جب وہ ان صفات سے متصف ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ صفاتی نام صفاتی ذکر اذکار کا جامع ہوتا ہے اور ذاتی نام تمام صفاتی ناموں کا جامع ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام '' اَللّٰہُ '' ہے اور کریم، رحیم، غفور، غفار جیسے باقی تمام نام صفاتی ہیں اور یہ سب صفاتی نام اسم اَللّٰہُ ذات میں جمع ہیں۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کو اُس کے ذاتی نام '' اَللّٰہُ '' سے یاد کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کو اس کی جملہ صفات سے یاد کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَاo (البقرہ۔31)

ترجمہ: آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم عطا کیا گیا۔

انسان کے اندر اسمِ اَللّٰہُ ذات اور اسماء صفات کی استعداد روزِ ازل سے فطرتی طور پر موجود ہے۔ لہٰذا انسان جس اسم اور جس صفت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے وہ اپنے اندر اسی اسم اور اسی صفت کی استعداد کو بالفعل جاری کرتا ہے، اسی کو اپنے اندر نمودار کرتا ہے اور اسی کا نور اس کے دل میں چمکتا ہے۔ مثلاً بندہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر اسم ''رحمٰن'' سے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی صفت رحمٰن کی تجلی فرماتا ہے اور اسمِ رحمٰن کا نور ذاکر کے اندر سرایت کر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جو صفتِ رحمانیہ تمام کائنات میں جاری و نافذ ہے اور جس کی وجہ سے تمام مخلوق کے درمیان رحم وشفقت قائم ہے، وہ ذاکر اپنی استعداد کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیہ سے متصف ہو جاتا ہے اور انفس و آفاق میں اسم رحمٰن کے عمل کا عامل بن جاتا ہے۔ اسی طرح بندہ جب اللہ تعالیٰ کے اسم ''سمیع'' یا اسم ''بصیر'' کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفات ''سمیع و بصیر'' سے اپنی استعداد کے مطابق فیض یاب ہوتا ہے اور اسے ظاہری حواس کی سماعت و بصارت کے علاوہ باطنی حواس کی سماعت و بصارت بھی حاصل ہو جاتی ہے جن سے وہ اَن سُنی باتیں بذریعہ الہام سُنتا ہے اور اَن دیکھے باطنی مقامات اور غیبی روحانی یعنی واقعات دیکھتا ہے۔ اسی طرح تمام صفات کو قیاس کر لیا جائے لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ کو اس کے ذاتی نام یعنی اسمِ اَللّٰہُ ذات سے یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی ذات (جو اسکی تمام صفات و اسماء کی جامع ہے) سے اس کی طرف تجلی فرماتا ہے جس سے ذاکر اللہ تعالیٰ کے ذاتی اَنوار کا اپنے اندر مشاہدہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ذاتی جلوے، مشاہدے اور دیدار سے مشرف ہوتا ہے اور ذاکر کا وجود اللہ تعالیٰ کے ذاتی اَنوار (جو تمام صفات کے جامع ہیں) سے منور ہو جاتا ہے۔

اسمِ اَللّٰہُ ذات اپنے مسمّٰی ہی کی طرح یکتا، بے مثل اور اپنی حیرت انگیز معنویت و کمال کی وجہ سے ایک منفرد اسم ہے۔ اس اسم کی لفظی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس کے حروف کو بتدریج علیحدہ

کردیا جائے تو پھر بھی اس کے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اور ہر صورت میں ''اسمِ اَللّٰہُ ذات'' ہی رہتا ہے۔ اسم ''اَللّٰہُ'' کے شروع سے پہلا حرف ''ا'' ہٹادیں تو لِلّٰہ رہ جاتا ہے اور اس کے معنی ہیں ''اللہ کے لئے'' اور یہ بھی اسمِ ذات ہے، قرآن مجید میں ہے:

لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ

ترجمہ: اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

اور اگر اس اسم پاک کا پہلا ''ل'' ہٹادیں تو ''لَہٗ'' رہ جاتا ہے جس کے معنی ہیں ''اس کے لئے'' اور یہ بھی اسم ذات ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے:

لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

ترجمہ: اسی کے لیے بادشاہت اور حمد و ستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور اگر دوسرا ''ل'' بھی ہٹادیں تو ''ھُو'' رہ جاتا ہے اور یہ اسم ضمیر ہے اور اس کے معنی ہیں ''وہ'' اور یہ بھی اسمِ ذات ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

ھُوَ اللّٰہُ الَّذِی لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوo

ترجمہ: ''وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر ھُو (ذاتِ حق تعالیٰ)''۔

خودی کی پہچان یا خودی کے راز تک پہنچنے کے لیے ذکر اور تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات ضروری ہے اور وہ بھی کسی مرشدِ کامل کی زیرِ نگرانی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد۔28)

ترجمہ: بے شک ''ذکرِ اَللّٰہُ'' سے ہی قلوب کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ (الرعد۔28)

نماز بھی ذکر ہی کی ایک قسم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی۔ (طٰہٰ۔14)

ترجمہ: میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔

نماز کا ظاہر الفاظ کا مجموعہ ہے، جسے مخصوص آداب اور طریقہ کے مطابق ادا کیا جاتا ہے اور نماز کا باطن دیدارِ الٰہی ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی'' اور ''نماز مومن کی معراج ہے'' گویا نماز کے فرض کا اصل مطلب دیدارِ الٰہی ہے۔

اب ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

❁ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ ○ (النسا۔103)

ترجمہ: پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں کے بل لیٹے ذکرِ اَللّٰہُ کیا کرو۔

اس آیت میں کروٹوں کے بل لیٹنے سے مراد سونا ہے اور سوتے ہوئے صرف پاس انفاس[1] کا ذکر ہو سکتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

❁ اَلْاَنْفَاسُ مَعْدُوْدَۃٌ وَ کُلُّ نَفْسٍ یَّخْرُجُ بِغَیْرِ ذِکْرِاللّٰہِ تَعَالٰی فَھُوَ مَیِّت

ترجمہ: سانس گنتی کے ہیں اور جو سانس بھی ذکرِ اَللّٰہُ کے بغیر نکلے وہ مُردہ ہے۔''

اور پھر قرآن میں بھی ذکرِ خفی کا حکم فرما دیا:

❁ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَۃً وَّ دُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ○ (اعراف 205)

ترجمہ: اور صبح و شام ذکر کرو اپنے ربّ کا دل میں، سانسوں کے ذریعے بغیر آواز نکالے خفیہ طریقے سے، عاجزی کے ساتھ اور غافلین میں سے مت بنو۔

❁ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً ط اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○ (اعراف 55)

ترجمہ: اپنے رب کا ذکر کرو خفیہ طریقے سے، عاجزی کے ساتھ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ذکر اسمِ اَللّٰہُ ذات ذکرِ پاس انفاس ہے یعنی یہ ذکر سانسوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے اور سانس کا باطن کے ساتھ کیا تعلق ہے، اس سلسلہ میں حضرت سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] سانس کے ساتھ ذکرِ اَللّٰہُ

جو دم[1] غافل سو دم کافر، سانوں مرشد ایہہ فرمایا ھُو

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

زندگی انسان کی ایک دَم کے سوا کچھ بھی نہیں

مزید فرماتے ہیں:

❁ نفس آشفتہ موجے ازیم اوست
نے ما، نغمہ ما از دم اوست

ترجمہ: انسانی سانس وحدتِ حق تعالیٰ کے سمندر کی ایک مضطرب لہر ہے۔ ہماری بانسری اور نغمہ اسی ذات کے دم سے ہے۔

ذکر کس طرح کرنا ہے اس کا طریقہ بھی قرآنِ کریم میں بتا دیا:

❁ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ (الکہف۔24)

ترجمہ: اپنے ربّ کا ذکر اتنی محویت سے کر کہ تجھے اپنی بھی خبر نہ رہے۔

پھر ذکر کس کا کرنا ہے اس کا بھی اعلان فرمایا اور تصور کا بھی حکم دے دیا:

❁ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا (مزمل۔8)

ترجمہ: (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے ربّ کے نام (اسمِ اَللّٰہُ) کا ذکر کرو اور سب سے ٹوٹ کر اس ہی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

❁ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَیo (الاعلیٰ۔01)

ترجمہ: (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے ربّ کے نام (اسمِ اَللّٰہُ) کی تسبیح بیان کرو جو سب سے اعلیٰ ہے۔

سب سے پہلی وحی میں بھی اسمِ اَللّٰہُ کے ذکر کی تلقین ہے:

❁ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَo (العلق۔10)

---

[1] سانس

ترجمہ: پڑھ اپنے ربّ کے نام (اسمِ اَللّٰہُ) سے جس نے خَلق کو پیدا کیا۔

عاملین، عابدین اور زاہدین نے ہر دور میں اسم اعظم کی تلاش کی لیکن سوائے چند عارفین کے اسم اعظم نہ پا سکے یعنی کُنہہ[1] تک نہ پہنچ سکے۔ بے شک انہوں نے ذکرِ اَللّٰہُ سے اپنے مقاصد پورے کر لئے مراتب اور درجات تک رسائی بھی حاصل کر لی لیکن دریائے وحدت میں غوطہ زن ہونے اور وصالِ الٰہی سے محروم رہے۔

سلطان العارفین حضرت سلطان باھُوؒ فرماتے ہیں:

❁ ''سن! علماء کو قرآنِ مجید میں اسمِ اعظم اس لیے نہیں ملتا کہ اسمِ اعظم صرف وجودِ اعظم میں ہی قرار پکڑتا ہے اگر کسی کو اسمِ اعظم مل بھی جائے اور وہ اس کا ذکر بھی کرتا رہے تو اِس پر تاثیر نہیں کرتا کہ جس کا وجود ہی بے اعظم ہو اس پر اسمِ اعظم کیا اثر کرے گا۔ اسمِ اعظم کے بغیر ذکر جاری نہیں ہوتا اور اسمِ اعظم صرف وجودِ اعظم میں ہی قرار پکڑتا ہے، جو یا تو فقیرِ کامل مکمل کے پاس ہوتا ہے یا علمائے عامل کے پاس اور علمائے عامل فقیرِ کامل ہوتے ہیں۔ جو آدمی اسمِ اعظم پر اعتقاد نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ سے بھی اعتقاد اُٹھا لیتا ہے وہ احمق ہے۔ اسمِ اعظم اُسے نصیب ہوتا ہے جو صاحبِ مسمّٰی ہو اور جو صاحبِ مسمّٰی ہو جاتا ہے وہی صاحبِ اسمِ اعظم ہوتا ہے۔ اور یہی مرشدِ کامل اکمل ہے۔ (عین الفقر)

اسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

❁ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (الانبیاء۔7)

ترجمہ: اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔

اب ذرا غور کریں تو بات فوراً سمجھ میں آجائے گی کہ یہاں فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الْعِلْمِ نہیں فرمایا کہ اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ لو بلکہ فرمایا اہل ذکر سے پوچھ لو۔ کیونکہ علم والے خود بھی ٹھوکر کھا سکتے ہیں کیونکہ علم وہ خبر ہے جس کا محل[2] دماغ ہے جبکہ ذکر وہ خبر ہے جس کا محل دِل ہے، علم دماغ کی تختی پر لکھا جاتا ہے اور ذکر دِل کی تختی پر مرقوم ہوتا ہے۔

1۔ انتہا، تہہ، حقیقت 2۔ مقام

سلطان العارفین حضرت سلطان باھُوؒ فرماتے ہیں:

❀ اسمِ ذات اَللّٰہُ ، لِلّٰہ ،لَہٗ ، ھُو اسمِ اعظم ہیں۔(عین الفقر)

❀ جسے بھی تقویٰ نصیب ہوا اسمِ اَللّٰہُ ذات ہی سے ہوا۔اسمِ اَللّٰہُ ذات سے چار اسم ظاہر ہوتے ہیں اول اسمِ اَللّٰہُ جس کا ذکر بہت ہی افضل ہے۔جب اسمِ اَللّٰہُ سے ''ا'' جدا کیا جائے تو یہ اسمِ لِلّٰہ بن جاتا ہے اسمِ لِلّٰہ کا ذکر فیضِ الٰہی ہے۔جب اسمِ لِلّٰہ کا پہلا ''ل'' جدا کیا جائے تو یہ اسمِ ''لَہٗ'' بن جاتا ہے اسمِ ''لَہٗ'' کا ذکر عطائے الٰہی ہے۔جب دوسرا ''ل'' بھی جدا کر دیا جائے تو یہ ''ھُو'' بن جاتا ہے اور اسمِ ''ھُو'' کا ذکر عنایتِ الٰہی ہے چنانچہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے ''نہیں ہے کوئی معبود سوائے ھُو (ذاتِ حق تعالیٰ) کے۔(البقرہ 255) ''اللہ بس ماسویٰ اللہ ہوس''۔(محک الفقر کلاں)

جس طرح بشری اور عنصری جسم کی غذا ہے' اگر ہم غذا نہ کھائیں تو ہمارا یہ جسم لاغر اور کمزور ہو جاتا ہے اسی طرح عارفین کے نزدیک روح (روحانی جسم یا خودی) کی غذا ذکر اسمِ اَللّٰہُ ہے اگر ہم ذکر اسمِ اَللّٰہُ نہ کریں تو روح کی غذا یا روزی بند ہو جاتی ہے اور وہ مردہ اور اندھی (نورِ بصیرت سے محروم) ہو جاتی ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

❀ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (سورۃ طٰہٰ۔124)

ترجمہ: ''جس شخص نے میرے ذکر سے روگردانی کی پس اس کی (باطنی یعنی روح کی) روزی تنگ کر دی جاتی ہے اور قیامت کے روز اسے ہم اندھا کر کے اٹھائیں گے۔'' یعنی اسے اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی پہچان اور دیدار حاصل نہیں ہوتا اور قیامت کے روز بھی نہیں ہوگا جیسا کہ ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے:

❀ وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل۔172)

ترجمہ: جو اس دنیا میں اندھا ہے آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔

اگر ہم چند لمحوں کے لیے فرض کر لیں کہ مندرجہ بالا آیت کریمہ میں بشری اور عنصری جسم کے رزق کا ذکر ہے تو جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے انہیں، بلکہ کفار کو بھی اس دنیا میں وافر رزق مل رہا

ہے۔ عارفین کے نزدیک اس آیت کریمہ میں روزی سے مراد روح کی روزی یعنی ذکرِ اَللّٰہُ ہے۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے بھی دوسرے عارفین کی طرح دیگر ورد وظائف چلے وغیرہ چھوڑ کر صرف ذکرِ اسمِ اَللّٰہُ ذات کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے طائرِ لاھُوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

انسانی روح کا مقام عالمِ لاھوت ہے' جس کی ابتداء وہاں سے ہوتی ہے جہاں پر سدرۃ المنتہیٰ کی حد ختم ہوتی ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں پر جبرائیل علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا تھا کہ اگر میں اس مقام سے ذرا سا بھی آگے بڑھا تو جل جاؤں گا۔ اس شعر میں علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے لاھوت کے مکیں تو وہ ذکر یعنی ذکر اسمِ اَللّٰہُ ذات کر جو تجھے پرواز کرا کے عالمِ لاھوت (دیدارِ الٰہی تک) میں لے جائے نہ کہ ایسا ذکر جو تجھے وہاں تک پہنچا ہی نہ سکے اور تو اپنی منزل (دیدارِ الٰہی) سے محروم ہو جائے کیونکہ دیدارِ الٰہی اسی مقام پر ممکن ہے' اس عالم میں روحِ انسانی کے علاوہ کوئی دوسری مخلوق داخل نہیں ہو سکتی۔

خود اقبال اپنا تعلق لاھُوت سے ظاہر فرماتے ہیں:

میں بندۂ ناداں ہوں' مگر شُکر ہے تیرا
رکھتا ہوں نہاں خانۂ لاھُوت سے پیوند

طائرِ لاھوتی۔ انسانی روح جس کا اصل وطن عالمِ لاھُوت ہے۔

رزق۔ یہاں رزق سے مراد دیگر عبادات اور چلوں' ورد وظائف سے ملنے والا ثواب ہے جو روح کو پرواز کی قوت ہرگز عطا نہیں کرتے۔ اس قدر محنت اور عبادات کے باوجود روح جسم میں قید ہی ہے اور اپنے اصل وطن عالمِ لاھُوت تک پہنچ نہیں پاتی، نہ اللہ کا قرب اور دیدار حاصل کر پاتی ہے۔

بندۂ ناداں۔ ناسمجھ انسان

نہاں۔ چھپا ہوا۔ پوشیدہ

خانۂ لاھُوت۔ عالمِ لاھُوت لامکاں جو دیدارِ الٰہی کا عالم ہے۔ یہ تمام عالم انسانی باطن میں ہی پوشیدہ ہیں۔

پیوند۔ تعلق، جڑا ہوا

معرفتِ حق تعالیٰ دو طرح کی ہے' ایک معرفت صفاتِ حق تعالیٰ اور دوسری معرفتِ ذاتِ حق تعالیٰ۔ ان دونوں کا فرق درج ذیل ہے:

معرفتِ صفاتِ حق تعالیٰ

1. معرفتِ صفات کا تعلق عالمِ خلق سے ہے۔
2. معرفتِ صفات کا تعلق عبودیت سے ہے۔
3. معرفتِ صفات میں تسخیرِ خلق[1] اور رجوعاتِ خلق[2] ہے۔
4. معرفتِ صفات کا ذریعہ ورد و وظائف' چلے' مراقبے' بدنی و جسمانی ریاضت و مشقت ہے۔
5. معرفتِ صفات کی انتہائی منزل سدرۃ المنتہیٰ پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور لوحِ محفوظ کا مطالعہ ہے۔
6. معرفتِ صفات کا عارف صاحبِ ریاضت ہے۔ صاحبِ ریاضت صاحبِ درجات ہے۔
7. صاحبِ درجات لقائے الٰہی (دیدار و وصالِ الٰہی) سے محروم ہے۔

معرفتِ ذاتِ حق تعالیٰ

1. معرفتِ ذات کا تعلق عالمِ اَمر سے ہے۔
2. معرفتِ ذات کا تعلق رُبوبیت سے ہے۔
3. معرفتِ ذات میں استغراقِ حق[3] اور لقائے الٰہی ہے۔

---

[1] چلوں وغیرہ کے ذریعے مخلوق (جنات اور مؤکلات وغیرہ) کو قابو میں لے آنا۔ [2] اپنی دنیوی پریشانیوں اور بیماریوں کو دور کرنے کے لیے تعویذ دھاگوں دم درود کے لیے لوگوں کا اس کی طرف رجوع کرنا۔ [3] ہر لمحہ اللہ کی ذات میں غرق رہنا۔

4. معرفتِ ذات کا ذریعہ فقط تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات ہے۔
5. معرفتِ ذات کی ابتدائی منزل لقائے الٰہی اور مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دائمی حضوری ہے۔
6. معرفتِ ذات کا عارف صاحبِ راز ہے اور صاحبِ راز صاحبِ ذات ہے۔
7. صاحبِ راز کی پہلی منزل ہی لقائے الٰہی ہے۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ معرفت ذاتِ حق تعالیٰ کے قائل ہیں، آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میری نوائے شوق سے شور حریمِ ''ذات'' میں
غلغلہ ہائے الاماں بُت کدۂ ''صفات'' میں

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ اسمِ ذات کے ذکر کی تلقین کرتے ہیں' کیونکہ معرفتِ ذاتِ حق تعالیٰ ذکر و تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات سے حاصل ہوتی ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نویس 'اللہ' برلوح دلِ من
کہ ہم خود را ہم او را فاش بینم

ترجمہ: میرے دل کی لوح پر اسمِ اَللّٰہُ ذات لکھ اور مجھے بھی اور میرے اندر چھپے ہوئے حق تعالیٰ کے بھید کو بھی ظاہر کر دے۔

نوا۔ آواز، پکار

شوق۔ عشقِ حقیقی کی تڑپ۔ طلب

حریمِ ذات۔ ذاتِ حق تعالیٰ کے قرب و دیدار کا مقام عالمِ وحدت جہاں ''ذات'' بے پردہ ہے۔

غلغلہ۔ شور، ہنگامہ

الاماں۔ اللہ کی پناہ مانگنا، امن چاہنا، توبہ توبہ کا شور۔

بت کدۂ صفات۔ ظاہری اجسام سے بنی یہ دنیا جہاں ہر ظاہری جسم اللہ کی صفات کا مظہر ہے۔ یہاں ذاتِ حق تعالیٰ مستور (چھپی ہوئی) ہے۔

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بُو میں
خرد کھوئی گئی ہے چار سُو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبح گاہی
اماں شاید ملے ''اَللّٰہُ ھُو'' میں

شوق مِری لَے میں ہے شوق مِری نَے میں ہے
نغمۂ ''اَللّٰہُ ھُو'' میرے رگ و پَے میں ہے

رومیؒ آں عشق و محبت را دلیل
تشنہ کاماں را کلامش سلسبیل
گفت آں شعرے کہ آتش اندروست
اصلِ او از گرمی ''اَللّٰہُ ھُو'' ست

نگہ۔ نگاہ، نظر، توجہ

الجھی ہوئی۔ پھنسی ہوئی، قید

رنگ و بو۔ ظاہری دنیا کے نظارے

خرد۔ عقل و شعور

کھوئی گئی۔ گم ہوگئی

چار سو۔ چار اطراف پر مبنی یہ دنیا، عقل و شعور کا کام اللہ کی طرف بڑھنے میں بندے کی مدد کرنا تھا لیکن وہ مشرق مغرب شمال جنوب پر مبنی اس دنیا میں قید ہو کر رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اطراف سے ماورا ہے اس تک پہنچنے کے لیے عقل کو ان اطراف کی قید سے نکلنا ہوگا۔

فغانِ صبح گاہی۔ رات کے آخری پہر اٹھ کر سجدہ ریز ہو کر اللہ کے حضور گڑگڑانا، آہ و زاری کرنا اور رو رو کر اس سے اس کا عشق و دیدار طلب کرنا۔

اماں۔ پناہ، تحفظ، سکون

شوق۔ عشق، لگن، جنون

لَے۔ سُر مراد روح، باطن

نَے۔ بانسری مراد جسم۔ بانسری اور لے کا وہی رشتہ ہے جو جسم اور روح کا ہے۔

اَللّٰہُ ھُو۔ ذکرِ اسم اَللّٰہُ ذات

رگ و پے میں۔ جسم و جان میں، نس نس میں۔ جب اسم اَللّٰہُ ذات کا ذکر عشق کے جذبہ کے ساتھ کیا

ترجمہ: رومی (رحمتہ اللہ علیہ)، جو عشق و محبت کی دلیل ہیں اور جن کا کلام عشق کے پیاسوں کے لیے سبیل کا درجہ رکھتا ہے، نے مجھ سے کہا کہ وہ شعر جس کے اندر آگ (عشق) ہوتی ہے اس کی بنیاد ''اَللّٰہُ ھُو'' کی آتشِ عشق سے ہے۔

می نگنجد آں کہ گفت اَللّٰہُ ھُو
در حدودِ ایں نظامِ چار سو

ترجمہ: جو کوئی ذکر اَللّٰہُ ھُو کرتا ہے وہ زمان و مکاں (Time and space) کی حدود میں نہیں سماتا۔

تا غزالیؒ درس اَللّٰہُ ھُو گرفت
ذکر و فکر از دودمانِ او گرفت

ترجمہ: جب امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرشد سے اَللّٰہُ ھُو کی تلقین حاصل کی تو انہوں نے ذکر و فکر کی منزل کو پالیا یعنی ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی علوم کے بھی حامل ہو گئے۔

آمد از پیراہن او بوئے او
داد مارا نعرہ اَللّٰہُ ھُو

ترجمہ: مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لباس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشبو آئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں ''اَللّٰہُ ھُو'' کا نعرہ (ذکر) دیا۔

اسمِ اَللّٰہُ ذات کے ذکر کی چار منازل ہیں اَللّٰہُ، لِلّٰہ، لَہٗ، ھُو اور عارفین کے نزدیک ''ھُو'' اسمِ اعظم ہے اور یہ ذکرِ سلطانی ہے یعنی وہ ذکر جس سے سلطانی حاصل ہوتی ہے۔ ھُو سلطان الاذکار ہے، یہ اسمِ اَللّٰہُ ذات کے ذکر کی آخری منزل ہے۔ یہاں پر ذکر کی حد ختم ہو جاتی ہے اور دیدار کی حد شروع ہو جاتی ہے۔

❁ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اسم اعظم انتہائے باھُو بود
وردِ باھُوؒ روز و شب "یاھُو" بود

ترجمہ: اسم اعظم سے حق تعالیٰ کی قربت کی انتہا نصیب ہوتی ہے اس لیے باھُوؒ دن رات ذکرِ یاھُو میں غرق رہتا ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکرِ ھُو کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کہ پیمان باھُو الموجود بست
گردنش از بند ہر معبود رست

ترجمہ: جس نے "ھُو" کے ساتھ پیمان باندھ لیا یا رشتہ استوار کر لیا یعنی جو "ھُو" کے ساتھ "با" ہو کر "ھُو" کے ساتھ موجود ہو گیا وہ زندہ جاوید ہو گیا اور اس کی گردن ہر غلامی سے آزاد ہو گئی۔

مٹا دیا مرے ساقی نے عالم مَن و تُو
پلا کے مجھ کو مے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا "ھُو"

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور نظم شکوہ میں فرماتے ہیں کہ کچھ ایسے دیوانے ہیں جو اس ہستی کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں ذکرِ "ھُو" دے کر دیدارِ الٰہی سے ہمکنار کر دے۔

ساقی۔ شراب پلانے والا۔ یہاں مراد مرشد کامل ہے۔ اقبالؒ کے مرشد مولانا رومؒ ہیں۔

عالم من و تو۔ میں اور تو کی دنیا۔ یعنی اجسام میں بٹی ہوئی یہ دنیا۔ ذکرِ اسمِ اَللّٰہُ ذات سے اللہ کا نور جو کائنات کی ہر شے میں پوشیدہ ہے ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر ظاہری اجسام کی حیثیت بے معنی ہو جاتی ہے اور ہر جگہ صرف اس ذاتِ واحد کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔

مے۔ شراب

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُو۔ 'ھُو' کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی موجود، یہ حقیقت ذکرِ 'ھُو' کی کثرت سے ہی کھلتی ہے۔

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جُو بیٹھے
سنتے ہیں جام بکف نغمہ کُو کُو بیٹھے
دور ہنگامۂ گلزار سے یک سو بیٹھے
تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ''ھُــو'' بیٹھے

منم کہ طوافِ حرم کردہ ام بتے بہ کنار
منم کہ پیشِ بتاں نعرہ ہائے ھُو زدہ ام

ترجمہ: میں وہ ہوں جس نے (نفس کا) بت پہلو میں رکھ کر کعبہ کا طواف کیا' میں وہ ہوں جس نے بتوں (مراد مذہب کے ظاہری راہنما) کے سامنے ''ھُــو'' کا نعرہ لگایا ہے۔ یعنی اُن کے سامنے ''ھُو'' کے ذکر کا راز کھولا ہے۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کی پستی اور تمام شعبہ جات میں تنزلی کی وجہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں ذکر اسمِ اَللّٰہُ ذات کی آگ کا سرد ہونا ہے یعنی نہ تو لوگوں میں اس کی طلب رہی اور نہ ہی اس کو عطا کرنے والے رہے۔

بادہ کش۔ شراب پینے والے۔

غیر۔ اللہ کی ذات سے بے خبر، غافل لوگ۔

گلشن۔ یہ دنیا۔

لبِ جو۔ ندی کنارے۔

جام بکف۔ ہاتھ میں شراب کا پیالہ پکڑے ہوئے مست۔

نغمۂ کوکو۔ کوئل کے کوکنے کی آواز' مراد رقص وموسیقی' دنیاوی شغل اشغال

ہنگامۂ گلزار۔ دنیا کی گہما گہمی

یک سو۔ ایک ہی طرف متوجہ۔ یعنی دنیا کی رونقوں کی بجائے اللہ کی ذات کی طرف متوجہ ہو کر

منتظرِ ھُو۔ ذکرِ 'ھُو' عطا کرنے والے کامل مرشد کے انتظار میں، کیونکہ ذکرِ 'ھُو' ہی انہیں ذاتِ ھُو تک پہنچائے گا۔

کُہن ہنگامہ ہائے آرزو سرد
کہ ہے مردِ مسلماں کا لہو سرد
بتوں کو میری لادینی مبارک
کہ ہے آج آتشِ 'اَللّٰہُ ھُوْ' سرد

اسمِ اَللّٰہُ ذات کے ذکر کے حصول کے لیے کسی مرشدِ کامل کی راہبری اور راہنمائی ضروری ہے اور مرشد بھی وہ جو نہ صرف اسمِ اَللّٰہُ ذات کے راز اور کنہ سے واقف ہو بلکہ صاحبِ تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات ہو اور صاحبِ مسمّٰی ہو۔

کُہن۔ پرانا

ہنگامہ ہائے آرزو۔ اللہ کے قرب و معرفت کی آرزو کا شدید جذبہ جو ہمارے اسلاف میں موجود تھا

سرد۔ ٹھنڈا۔ یعنی وہ جذبہ اب ختم ہو چکا ہے

لہو سرد۔ مسلمانوں کے خون میں عشقِ الٰہی کی گرمی اور تپش موجود نہیں رہی

بتوں۔ یہاں بتوں سے مراد ظاہری مذہبی راہنما ہیں۔

لادینی۔ دینِ مُلّا، جو ذکر اسمِ اَللّٰہُ ذات کی گرمی اور روحانیت سے محروم ہے، اقبال ایسے دین سے منہ موڑ رہے ہیں۔

آتش 'اَللّٰہُ ھُوْ'۔ اللہ کے دیدار اور معرفت کی خاطر ذکر اسمِ اَللّٰہُ ذات طلب کرنے کا جذبہ

مرشد کامل

آپ نے پڑھا ہے کہ خودی کی پہچان کے لیے اسمِ اَللّٰہُ ذات کا ذکر ضروری ہے' لیکن اس کے لیے لازم ہے کہ اسمِ اَللّٰہُ ذات کسی مردِ کامل یعنی مرشدِ کامل سے حاصل ہوا ہو اور اس کی زیرِ نگرانی فقر کے مراحل طے کیے جائیں۔

ایمان باللہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کو ضروری قرار دیا ہے۔

❁ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (سورہ الفتح۔10)

ترجمہ: اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور ان لوگوں کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اس آیت میں انسانِ کامل (مرشدِ کامل یا مردِ کامل) کے ہاتھ پر بیعت کرنا ثابت ہے' جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اتنی اہمیت ہے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلفاء (باطنی) کے ساتھ بھی بیعت کی وہی اہمیت ہے' بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے' کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری غیر موجودگی میں بیعت اور وسیلہ کی ضرورت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کریم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ انہوں نے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے' بلکہ یہ سمجھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واسطے سے اللہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا ہے اور اللہ سے بیعت کی ہے' بعد والوں نے صحابہ کرامؓ سے بیعت کی اور دو واسطوں سے اللہ تک پہنچے پھر یہ واسطے اور وسیلے بڑھتے گئے۔ اب اگر کوئی ایسے مرشد کامل اکمل کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے' تو کئی واسطوں اور وسیلوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچتا ہے۔

وہ پاکیزہ اور کامل اکمل لوگ جو سلسلہ در سلسلہ بیعت ہوتے آئے ہیں ان کا شجرہ طریقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچ جاتا ہے۔ ایسے برگزیدہ صفات لوگوں کو "شیخِ اتصال" کہتے ہیں اور اُن کے درمیان کسی جگہ انقطاع نہیں ہوتا' ایسے کامل حضرات جب کسی خوش بخت آدمی کو بیعت کرلیں تو اس کی روحانی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قائم ہوجاتی ہے اور طریقت (فقر) کی رو سے یہی سمجھا جاتا ہے گویا اس نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلہ سے اللہ تک پہنچ گیا ہے۔

آج تک کسی ولی کامل کو ولایت' معرفتِ الٰہی اور مشاہدۂ حق تعالیٰ بغیر مرشد کامل اکمل کی بیعت اور تربیت کے حاصل نہیں ہوا۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑ کر حضرت یوسف نساج رحمتہ اللہ علیہ کی بیعت نہ کرتے تو آج اُن کا شہرہ نہ ہوتا۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ اگر شاہ شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ کی غلامی اختیار نہ کرتے تو انہیں ہرگز یہ مقام نہ ملتا۔ قصہ مختصر کہ فقر و طریقت کی تاریخ میں آج تک کوئی بھی مرشد کی راہنمائی اور بیعت کے بغیر اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکا۔

صوفیاء کرام نے اپنی کتب میں کثرت سے یہ احادیث مبارکہ درج کی ہیں:

❁ مَنْ لَّاشَیْخَ یَتَّخِذُہُ الشَّیْطَان

ترجمہ: جس کا شیخ (مرشد) نہیں اس کا شیخ (مرشد) شیطان ہے۔

اَلرَّفِیْقُ ثُمَّ الطَّرِیْقُ

ترجمہ: پہلے رفیق تلاش کرو پھر راستہ چلو۔

لَادِیْنَ لِمَنْ لَّاشَیْخَ لَہٗ

ترجمہ: اس شخص کا دین ہی نہیں جس کا شیخ (مرشد) نہیں۔

بیعت کی کئی اقسام ہیں مثلاً بیعتِ اسلام۔ اسلام قبول کرتے وقت کی جاتی ہے۔ بیعتِ خلافت۔ خلافتِ راشدہ، خلافتِ بنوامیہ اور خلافت بنوعباس اور دیگر خلفاء کے دور میں مروج رہی ہے۔ بیعتِ جہاد۔ جہاد کرنے کے لیے بیعت کی جاتی ہے۔ بیعتِ شریعت۔ کسی عالم سے شریعت وفقہ کے علوم حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ لیکن یہاں جس بیعت کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس سے مراد وہ امور ہیں جو تزکیہ نفس، تصفیہ قلب اور تجلیہ روح سے تعلق رکھتے ہیں اور قرب و وصالِ الٰہی کا سبب بنتے ہیں۔ اسے عام اصطلاح میں بیعتِ فقر یا طریقت کہتے ہیں اور ہم اسی کا ذکر کر رہے ہیں۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ بھی راہِ فقر پر سفر کے لیے مرشدِ کامل اکمل کی راہبری لازمی سمجھتے ہیں، کیونکہ مرشد کے بغیر باطن کا راستہ ہی نہیں ملتا خواہ ساری عمر عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

اگر کوئی شعیبؑ آئے میسر
شبانی سے کلیمیؑ دو قدم ہے

شعیبؑ۔ حضرت شعیب علیہ السلام جن کی بکریاں حضرت موسیٰ علیہ السلام چرایا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا۔ یہاں اشارہ مرشد کامل اکمل کی طرف ہے۔

شبانی۔ بھیڑ بکریاں چرانا

کلیمیؑ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقب۔ اللہ سے ہم کلام ہونا۔ یعنی اگر مرشد کامل مل جائے تو ایک عام انسان بھی اللہ سے ہم کلام ہو سکتا ہے۔

آپؒ اسمِ اَللّٰہُ ذات کے تصور کے ساتھ ساتھ مرشد کی نگاہ کو لازمی سمجھتے ہیں۔

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دِلبری کیا ہے

مرشد کو دلبر بھی کہا جاتا ہے۔

صحبتِ مرشد کے بارے میں آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحبتِ پیرِ رُومؒ سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب' ایک کلیمؑ سَر بکف

آپ رحمتہ اللہ علیہ خودی کی تلاش کے لیے کسی مرشدِ کامل کے پاس جانے کا مشورہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حدیثِ دل کسی درویشِ بے گلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آشنا

فیصلہ دِل کا۔ باطن کا کھلنا اور رازِ حقیقی تک پہنچنا۔

دلبری۔ دلبر مرشد کو بھی کہتے ہیں یعنی جو مرشد نگاہ سے تزکیہ نفس نہیں کر سکتا تو اس کی مرشدی کا کیا فائدہ۔

صحبت۔ ساتھ، قرب

پیرِ رومؒ۔ اقبال کو تمام روحانی فیض اور معرفتِ الٰہی مولانا رومؒ کی روح سے اویسی طریقہ سے ملی اسی لیے وہ مولانا رومؒ کو ہی اپنا مرشد مانتے ہیں۔

راز فاش۔ راز کھلا

حکیم۔ فلسفی، دانا

سر بجیب۔ سر جھکائے فلسفیانہ خیالات میں کھوئے ہوئے۔ رازِ حقیقت کو جاننے کے لیے عقل و دانش کے سمندر میں غوطہ لگائے ہوئے۔

کلیم۔ اللہ سے وحی اور الہام کے ذریعے باطن میں گفتگو کرنے والا اور اللہ کے راز اللہ ہی سے لینے اور سمجھنے والا۔

سر بکف۔ سر ہتھیلی پر رکھے ہوئے۔ نفس کے جہاد میں مشغول۔

حدیثِ دِل۔ دِل کی بات۔ عشقِ حقیقی اور تعلق باللہ کی بات۔

درویشِ بے گلیم۔ گدڑی بھی نہ رکھنے والا فقیر۔ جس کے پاس دنیاوی اثاثہ کچھ نہ ہو۔

مرشدانِ کامل کی صفات بیان کرتے ہوئے آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس اُن کی
الٰہی کیا چھُپا ہوتا ہے اہلِ دِل کے سینوں میں
تمنا دردِ دِل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ اِن کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

نگاہِ مرشد کے بارے میں فرماتے ہیں:

الٰہی سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا!
کہ اک نظر سے نوجوانوں کو رام کرتے ہیں

مسلمانوں کی زبوں حالی کا علاج آپ علم کی بجائے کسی مردِ کامل کی نگاہ بتاتے ہیں۔

شمعِ کشتہ۔ بجھی ہوئی شمع۔ مراد مردہ روح

موجِ نفس۔ سانس کی لہر۔ پیرانِ کامل اپنی ایک توجہ سے اور ایک دَم (سانس) سے مردہ روح میں زندگی پھونک سکتے ہیں۔

اہلِ دِل۔ زندہ قلب رکھنے والے۔ ایسا قلب جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ''نہ میں زمین میں سماتا ہوں نہ آسمان میں لیکن بندۂ مومن کے دِل میں سما جاتا ہوں''

دردِ دِل۔ عشقِ حقیقی۔

گوہر۔ قیمتی موتی۔

خزینوں۔ خزانوں۔

خرقہ پوش۔ گدڑی پہننے والے، صوفی، فقیر

ارادت۔ عقیدت

یدِ بیضا۔ چمکنے والا ہاتھ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر نکالتے تو وہ روشن ہوتا تھا۔ یہاں مراد معجزہ اور کرامت ہے۔

آستین۔ دامن۔ یعنی ان کی کرامتیں زمانے سے چھپی ہیں۔

سحر۔ جادو۔

پیرانِ خرقہ پوش۔ گدڑی پہننے والے درویش۔

رام کرنا۔ نگاہ اور صحبت سے اپنا بنالینا۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

فارسی شاعری میں بھی اقبالؒ مرشد کامل کی طلب کی تلقین کرتے ہیں تاکہ اس کی مہربانی سے انسان کو اپنی خودی کی پہچان ہو سکے۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے

ترجمہ: تو مٹی کی مٹھی سے کیمیا پیدا کر یعنی اپنے خاکی وجود کو نوری بنا اور اس کے لیے کسی انسانِ کامل (مرشد کامل) کے آستانہ پر بوسہ دے۔

اگر اور را نیابی در طلب خیز
اگر یابی بدامانش در آویز

ترجمہ: اگر تو (مرشد کامل کو) نہ پائے تو اس کی طلب میں لگ جا اور اگر اُسے پالے تو اس کے دامن کو تھام لے۔

بکارِ ملک و دیں او مردِ راہے است
کہ ما کوریم و او صاحبِ نگاہے است

ترجمہ: ملک و دین کے معاملے میں وہ (مرشدِ کامل) مردِ راہ ہے، ہم اندھے ہیں جبکہ وہ صاحبِ نگاہ ہے۔

فقیہہ و شیخ و ملا را مدہ دست
مرو مانند ماہی غافل از شست

ترجمہ: تو فقیہہ و مُلّا اور شیخ (جعلی پیر) کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے۔ مچھلی کی طرح شست (مچھلی پکڑنے

خرد۔ عقل

خبر۔ زبانی باتیں

نظر۔ پیر کامل کی نگاہ جو قلبی بیماریوں مثلاً حسد، کینہ، لالچ، ہوس، غیبت، بہتان وغیرہ سے شفا بخش کر دِل میں عشقِ الٰہی بھر دیتی ہے۔

کا کانٹا) سے غافل رہ کر نہ چل ۔یعنی ظاہری علما اور ناقص مرشدوں سے بچ کیونکہ یہ قیل وقال (ظاہری علوم) کے حامل ضرور ہوتے ہیں' لیکن باطنی علوم تک رسائی ان کے بس کی بات نہیں۔

چہ پرسی از طریق جستجویش
فرو آرد مقامِ ہائے و ہویش

ترجمہ: تو اس (مرشد کامل) کو تلاش کرنے کے طریقے کے بارے میں کیونکر جستجو نہیں کرتا۔ وہ تو مقامِ عشق (یعنی ذاتِ حق تعالیٰ) کو اپنے اندر سموئے ہوتا ہے۔

بر دلِ بیتابِ من ساقی مے نابے زند
کیمیا ساز است و اکسیرے بہ سیمابے زند

ترجمہ: ساقی (مرشدِ کامل) میرے بے قرار دل پر خالص شراب ڈال رہا ہے' وہ ایک خالص کیمیا ساز ہے اور پارے کے ساتھ اکسیر لگاتا ہے۔

پارے کے ساتھ اکسیر لگا کر کیمیائی عمل سے سونا بنایا جاتا ہے۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا مرشدِ کامل مجھے عشقِ حق تعالیٰ کی خالص شراب پلا رہا ہے اور میرے زنگ آلود باطن کو سونا یعنی خداشناس بنا رہا ہے۔

گدائے جلوہ رفتی برسرِ طُور
کہ جانِ تو زخود نامحرمے ہست
قدم در جستجوئے آدمے زن
خدا ہم در تلاشِ آدمے ہست

ترجمہ: تو خدا کے دیدار کا طالب بن کر طور پر گیا اس لیے کہ تو اپنی خودی (روح) سے ناواقف ہے' تو پہلے کسی مردِ کامل (مرشد) کی تلاش کر تا کہ اس کی راہنمائی میں تیری روحانی منازل طے ہو سکیں اور تو اپنے باطن میں ہی اپنے خدا سے ملاقات کر سکے۔ خدا بھی کسی ایسے مرد کی تلاش میں رہتا ہے۔

مطرب غزلے بیتے از مرشد رومؒ آور
تا غوطہ زند جانم در آتش تبریزےؒ

ترجمہ: اے جلوۂ حق کے نغمہ ساز تو میرے مرشد رومی رحمتہ اللہ علیہ کی کوئی غزل یا شعر گا کر سنا تا کہ میری روح رومیؒ کے مرشد شاہ شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ کے عشق کی آگ میں غوطہ لگائے۔

شعلہ درگیر زد برخس و خاشاکِ من
مرشد رومی کہ گفت ''منزل کبریاست''

ترجمہ: میرے مرشد رومی رحمتہ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ ہماری منزل ذاتِ حق تعالیٰ ہے، اس ارشاد نے میرے وجود سے تمام ماسویٰ اللہ کو جلا کر خاک کر ڈالا۔

اس شعر میں آپ رحمتہ اللہ علیہ ایک صادق طالب کی طرح اپنے مرشد کے حُسن کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں:

در قبائے عربی خوشترک آئی بہ نگاہ
راست برقامت تو پیرہنے نیست کہ نیست

ترجمہ: (اے مرشدِ رومیؒ) تو مجھے عربی قبا میں بہت حسین دکھائی دیتا ہے، لیکن کوئی لباس ایسا نہیں ہے کہ جو تیرے دلکش سراپے پر حسین اور خوبصورت نہ لگتا ہو۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرشد سے تصفیہ قلب کے لئے عرض کر رہے ہیں:

گفتمش در دلِ من لات و منات است بسے
گفت ایں بت کدہ را زیر و زبر باید کرد

ترجمہ: میں نے اپنے مرشد سے کہا کہ میرے دل میں تو مادی خواہشات کے لات و منات ہیں تو انہوں نے کہا اسے تو تباہ کر دینا چاہیے۔

مرشد کی بارگاہ کے آداب بیان کرتے ہوئے آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دین نگردد پختہ بے آدابِ عشق
دین بگیر از صحبتِ اربابِ عشق

ترجمہ: آدابِ عشق کے بغیر دین کی کنہہ حاصل نہیں ہوتی اور اصل دین تو اربابِ عشق (مرشدِ کامل) کی صحبت ونگاہ سے حاصل ہوتا ہے، یعنی دین ظاہری علم اور کتب سے حاصل نہیں ہوتا۔

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب، دیں از نظر

ترجمہ: اے بے خبر دین کو کتابوں میں تلاش نہ کر۔ علم وحکمت تو کتابوں میں مگر دین (کسی کامل ولی کی) نظر سے ملتا ہے۔

صد کتاب آموزی از اہلِ ہنر
خوشتر آں درسے کہ گیری از نظر

ترجمہ: اگر اہلِ علم سے تو سو کتابیں پڑھ لے تو اس کی نسبت وہ ایک درس بہت بہتر ہے جو تو کسی (مرشدِ کامل) کی نظر سے حاصل کرے۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ جہاں مرشد کامل کے دامن سے وابستہ ہونے کی تلقین کرتے ہیں' کیونکہ اس کے بغیر فقر اور خودی کے راز تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی' وہاں وہ روائتی ملاؤں اور روائتی پیروں' گدی نشینوں اور سجادہ نشینوں سے دور رہنے کی بھی تلقین کرتے ہیں' کیونکہ ان کے پاس گفتگو' قیل و قال کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات کے مطابق ان صیادوں کے پھندوں سے بچنا چاہیے' ورنہ دینِ حق تو دور کی بات طالب کو اِن سے اگر کچھ نہ ملے یا ناکامی ملے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ موجودہ دور کے مدرسہ اور خانقاہی نظام سے بھی مایوس نظر آتے ہیں۔

اب حجرۂ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی
خونِ دلِ شیراں ہو جس فقر کی دستاویز

حجرۂ صوفی۔ مراد صوفی کی خانقاہ۔ یہاں صوفی سے مراد نام نہاد دکھاوے کے پیر ہیں نہ کہ اصل صوفیاء۔

خونِ دلِ شیراں۔ نڈر۔ شیر جیسی بے باک
دستاویز۔ تحریر

❁ اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

❁ گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ

❁ مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
خانقاہوں میں کہیں لذّتِ اسرار بھی ہے؟

❁ مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

خانقاہ۔ جہاں صوفی ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ یہاں اصل خانقاہ کا نہیں بلکہ دکھاوے کی خانقاہ کا ذکر ہے جہاں نام کے صوفی رہتے ہیں۔

نہ زندگی۔ مراد روحانی و قلبی زندگی۔

معرفت۔ اللہ کی پہچان۔ دیدار و قربِ الٰہی۔

نگاہ۔ کسی کامل مرشد کی نگاہ جو دلوں کو بدل دیتی ہے

گلا تو گھونٹ دیا۔ دنیاوی علوم اور ترقی حاصل کرنے کے لیے عشقِ الٰہی کے احساسات اور دین میں ترقی کی خواہشات کو کچل دیا۔

اہلِ مدرسہ۔ دنیاوی علوم پڑھانے والے سکول کالج اور یونیورسٹی وغیرہ۔ دینی مدارس میں بھی قرآن کی ظاہری تعلیم فقہ، عربی گرائمر وغیرہ پر زور دیا جاتا ہے نہ کہ معرفت و عشقِ الٰہی کی تعلیم پر، جو اصل دین ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ اللہ کا دیدار اور معرفت حاصل کرنے کے بعد دِل اور روح کی تصدیق کے ساتھ کہنا کہ میرا کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، اسی سے میرا رشتہ ہے، اس پر توکل ہے اسی سے محبت ہے۔ دِل میں دنیا اور دنیاوی رشتوں کی محبت اور بھروسہ رکھ کر صرف زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنا بے معنی ہے۔

مکتب۔ جدید درس گاہ

رعنائی افکار۔ عشق و معرفتِ الٰہی کے جذبات اور خیالات کی خوبصورتی۔

خانقاہوں۔ صوفیاء اولیاء اور فقراء کا قائم کردہ مقام جہاں وہ طالبانِ مولیٰ کی تربیت کرتے ہیں۔ یہاں جعلی پیروں کی خانقاہیں مراد ہیں۔

لذّتِ اسرار۔ اللہ کے دیدار، معرفت اور قرب سے کھلنے والے رازوں کی لذت۔

کدو۔ پیالہ

بادۂ ناب۔ خالص شراب، عشقِ حقیقی کا نشہ۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا طریقہ کار یہ ہے:

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اس کو
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اس کو

کہیں فقر و طریقت وراثت میں چل رہی ہے اور ملوکیت کی طرح گدی نشینی بھی وراثت بن گئی۔

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

زاغ کوے کو کہتے ہیں یہاں مراد طالبانِ دنیا ہیں جن کے دِل اللہ سے دور اور ہوسِ دنیا سے لبریز ہیں، اور شاہینوں کے جو نشیمن تھے یعنی حقیقی اولیاء اللہ کی خانقاہیں جہاں لوگوں کے قلوب میں ایمان کی شمع روشن کی جاتی تھی اب ان کے قبضے میں ہیں۔ ان کا مقصد صرف مال اکٹھا کرنا ہے' کیونکہ روحانیت اور معرفت سے تو ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں اور تلقین و ارشاد کی مسند تو ان کو وراثت میں ملی ہے۔

ذکر و فکرِ صبح گاہی۔ صبح کے وقت اٹھ کر عبادت کرنے کی فکر میں مصروف رکھنا یعنی صرف ظاہری عبادت، ظاہری طہارت وغیرہ کی فکر میں مشغول رکھنا اور اللہ سے قلبی و روحانی تعلق جوڑنے سے روکے رکھنا۔

پختہ تر۔ پکا عادی، ظاہری عبادت کی ایسی عادت ڈال دینا کہ صرف اسی کو مکمل دین سمجھے اور روحانی وقلبی حیات کی طرف دھیان ہی نہ جائے۔

میراث۔ ورثہ میں ملنے والی چیز۔

مسندِ ارشاد۔ مرشد کامل کی تلقین و ارشاد کی گدی جو اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے حاصل ہوتی ہے۔ مسندِ ارشاد سے مراد مسلمانوں کو اللہ کی معرفت کی راہ دکھانے اور رہنمائی کرنے کی ذمہ داری ہے۔ مرشد کامل تو اس کا اہل ہوتا ہے لیکن اکثر اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد اسے ورثہ میں ملی ہوئی جائیداد سمجھ کر اس پر قابض ہو جاتی ہے حالانکہ اس کے لائق نہیں ہوتی ۔ مقصد صرف مریدوں کے نذرانے ہڑپ کرنا اور اپنی خاندانی یا سیاسی ساکھ قائم کرنا ہوتا ہے۔

تصرف۔ قبضہ

نشیمن۔ مقام، گھر، ٹھکانہ

قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ کہہ سکتے تھے جو' رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

''قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت ہے' آپؑ یہ کہہ کر مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ مُردہ قلوب کو زندہ کرنے والے چلے گئے۔ اب تو ان خانقاہوں میں اپنے اسلاف کی ہڈیاں بیچنے والے یا تو مجاور بیٹھے ہیں یا مردے دفن کرنے والے گورکن۔

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذرؓ و دَلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ

پیرِ حرم کو دیکھا ہے میں نے
کردار بے سوز، گفتار واہی

قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ۔ 'اللہ کے حکم سے اٹھ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے کو کہتے تھے تو وہ زندہ ہوجاتا۔ مرشد کامل بھی سالک کی روح کو زندہ کرنے کی قوت رکھتا ہے۔

رخصت ہوئے۔ دنیا سے ناپید ہوگئے، چلے گئے۔ مسلمانوں کے عشق و معرفت کی طلب سے منہ موڑ لینے کی وجہ سے ان اولیاء کاملین نے خود کو دنیا سے چھپا لیا۔ لیکن سچے طالب آج بھی ان کو تلاش کر لیتے ہیں۔

مجاور۔ خانقاہ کا رکھوالا۔

گورکن۔ مردے دفن کرنے والا اور قبرستان کی حفاظت کرنے والا۔

شیخِ حرم۔ نام نہاد عالمِ دین۔

گلیمِ بوذرؓ۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی گدڑی۔

دَلقِ اویسؓ۔ حضرت اویس قرنیؓ کا درویشانہ لباس۔

چادرِ زہراؓ۔ حضرت فاطمہؓ کی چادر۔ مراد یہ کہ اپنے عظیم و مقدس اسلاف کا نام اور تعلیمات استعمال کر کے لوگوں میں اپنی عزت بڑھاتا اور ان سے نذرانوں کی صورت میں مال بٹورتا ہے۔

پیرِ حرم۔ نام نہاد ناقص مرشد۔ پیر

بے سوز۔ جذبوں سے عاری عشقِ الٰہی سے محروم۔

گفتار واہی۔ بے مقصد فضول باتیں۔

باقی نہ رہی تیری آئینہ ضمیری
اے کُشتۂ سُلطانی و مُلّائی و پیری

جانتا ہوں مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستین

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

غضب ہیں یہ "مرشدانِ خود بیں" خدا تری قوم کو بچائے
بگاڑ کر تیرے مسلمانوں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں

آئینہ ضمیری۔ قلب اور روح کا آئینہ کی طرح شفاف ہونا۔

کشتہ سُلطانی و مُلّائی و پیری۔ بادشاہوں، ملاؤں اور جھوٹے پیروں کا مارا ہوا۔ یعنی ان کی وجہ سے صحیح عقاید سے گمراہ ہونے والا مسلمان

مشرق۔ مسلمان ممالک

بے یدِ بیضا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے روشن ہاتھ کے بغیر یعنی روحانی قوت کے بغیر

سادہ دِل بندے۔ اللہ کے طالب

عیاری۔ مکاری، دھوکہ فریب مراد یہ کہ اس دور میں جھوٹے پیروں فقیروں کی بہتات کی وجہ سے اللہ کے سچے طالب کس سے رہنمائی طلب کریں۔

دو رکعت کے امام۔ جن کا دین صرف ظاہری عبادت نماز روزے تک محدود ہے، جنہیں عشق و معرفت کی کوئی خبر نہیں۔

مرشدانِ خود بین۔ نام نہاد مرشد جن کی نظر صرف اپنے فائدے اور اپنا مال بنانے پر ہے۔

ہو نِکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

یعنی قبروں کی تجارت نے تمہیں نیک نام بنا دیا ہے اور بڑی عزت عطا کر دی ہے تم سے تو یہ بھی توقع ہے کہ مال کمانے کی ہوس میں بت فروشی شروع کر دو۔

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و مُلّا کے غلام اے ساقی

اب تو فقیہہ (مفتی) اور مُلّا بھی صوفی کی طرح بیعت کر کے مرید بنا رہے ہیں۔

سکھا دیئے ہیں اسے شیوہ ہائے خانقاہی
فقیہہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے مریدوں سے جعلی اور خاندانی پیر جو نذرانہ وصول کرتے ہیں وہ دراصل سود ہے۔

نذرانہ نہیں، سُود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن

موجودہ دور میں فرضی اور خود ساختہ صوفیاء کے حلقہ میں اب سوزِ عشق باقی نہیں رہا۔ کرامتوں کی

قبروں کی تجارت۔ کسی فوت شدہ ولی کے مزار پر آنے والے عقیدتمندوں کے نذرانے ہڑپ کرنا۔

شیر مرد۔ مومن کامل

بیشۂ تحقیق۔ تحقیق کا شعبہ۔ دین کا حقیق علم حاصل کرنے کی جستجو کرنے والے لوگ۔

تہی۔ خالی۔ یعنی اب مسلمانوں کا تمام زور ظاہری عبادات پر ہے دین کی حقیقت کو کوئی جاننا ہی نہیں چاہتا۔

صوفی وملا کے غلام۔ نام نہاد صوفیوں اور ملاؤں کی پیروی کرنے والے۔

شیوہ ہائے خانقاہی۔ خانقاہوں کے طور طریقے۔

خرقۂ سالوس۔ دھوکہ اور فریب دینے والی گدڑی، ریاکاری کا لباس۔

مہاجن۔ ہندو بنیا، سود خور

فرضی کہانیاں، عیاری، مکاری، فریب اور حکمرانوں کی صحبت اور اُن سے عہدہ حاصل کرنا اب نام نہاد ریاکارانہ درویشی کا مقصد ہے۔

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی
فسانہ ہائے کرامت رہ گئے باقی
خراب کوشکِ سلطان و خانقاہِ فقیر
فغاں کہ تخت و مصلّٰی کمالِ زرّاقی
کرے گی داورِ محشر کو شرمسار اک روز
کتابِ صوفی و مُلّا کی سادہ اوراقی

اب تو کچھ شرعی گروہ اور جماعتیں بھی مسلمانوں کو رہبانیت کی تعلیم دے رہی ہیں۔

فقیہہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور
کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگِ دست بدست

حلقۂ صوفی۔ نام نہاد صوفیوں کی مجلس۔

سوزِ مشتاقی۔ عشق کا جذبہ اور جنون

فسانہ ہائے کرامت۔ کرامتوں کی کہانیاں

کوشکِ سلطان۔ بادشاہ کا محل

فغاں۔ فریاد، دہائی

تخت۔ بادشاہت

مصلّٰی۔ عبادت کی جگہ

کمالِ زرّاقی۔ فریب اور مکاری کی انتہا۔ یعنی بادشاہت میں بھی مکاری ہے اور آجکل کے خود ساختہ تصوف میں بھی۔

داورِ محشر۔ اللہ تعالیٰ، قیامت میں انصاف کرنے والا۔

کتابِ صوفی و مُلّا۔ صوفی اور ملا کی زندگی کی کتاب۔

سادہ اوراقی۔ خالی صفحات۔ عمل وجد وجہد اور جذبۂ عشق کے بغیر زندگی

فقیہہ شہر۔ شہر کا مفتی، شرعی فیصلے کرنے والا

رہبانیت۔ دنیا چھوڑ کر گوشۂ تنہائی اختیار کر لینا

جنگ دست بدست۔ ہاتھ کی ہاتھ سے لڑائی، مختلف فرقوں کے علماء نے شرعی مسائل کی نئی نئی تاویلیں اور صورتیں نکالنی شروع کر دی ہیں۔ ان میں سے کچھ نے شریعت کو رہبانیت کی صورت دے دی ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر صرف عبادت اور چلہ کشی میں مصروف رہو۔

یہاں آپ رحمتہ اللہ علیہ صوفی و مُلّا دونوں سے مایوس نظر آتے ہیں۔

صوفی کی طریقت میں فقط مستیِ احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستیِ گفتار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیِ کردار

آپ رحمتہ اللہ علیہ مغربی نظامِ تعلیم کے خلاف بھی صف آراء رہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کا نکتۂ نظر یہ ہے کہ جدید تعلیم حاصل کرنی چاہیے لیکن جدید مغربی تعلیم حاصل کرتے ہوئے اپنے دل کو ''خاکِ مدینہ'' سے وابستہ رکھنا چاہیے اور دل کو مردہ کر کے افرنگ کے جلوؤں میں گم نہیں ہو جانا چاہیے۔

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز
ہو نہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و گزاف
اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروّت کے خلاف

ظاہری صوفی اور مُلّا پتہ نہیں کتنے لوگوں کو اپنی سحر بینی سے تباہ کر چکے ہیں:

مستیِ احوال۔ وجد کی کیفیت میں مست ہونا جس میں اردگرد کا ہوش نہیں رہتا۔

مستیِ گفتار۔ باتوں کی مستی، دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنے کا چسکہ۔ جبکہ اپنا عمل نہ ہونے کے برابر ہو اور دل جذبۂ عشق سے خالی۔

مردِ مجاہد۔ نفس سے جہاد کرنے والا اور عملی جدوجہد کرنے والا مومن۔

رگ و پے میں۔ جسم کے ہر حصہ میں، رگ رگ میں، ظاہر و باطن میں۔

مستیِ کردار۔ اللہ کی راہ میں عملی جدوجہد کرنے کا جذبہ، عشق کی سرشاری جو عمل پر مجبور کرتی ہے۔

انداز۔ طور طریقے

پیرانِ حرم۔ مراد جعلی پیر۔ ناقص مرشد

دعوائے نظر۔ معرفت اور بصیرتِ باطنی کا دعویٰ

لاف و گزاف۔ جھوٹی اور فضول بات

اہلِ کلیسا۔ عیسائی، انگریز

مروّت۔ اخلاق، رواداری

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
فقیہہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

راہِ فقر میں مرشدِ کامل اکمل کی راہبری لازمی ہے لیکن راہزن مرشد سے بچنا چاہیے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طلب قلب میں خلوص کے ساتھ لے کر نکلتے ہیں وہ ان راہزنوں سے محفوظ رہتے ہیں کیونکہ جس کی طلب میں وہ نکلے ہیں وہی اُن کا حافظ و ناصر ہوتا ہے۔

مرشدِ کامل کی راہبری میں اسم اللہُ ذات کے ذکر و تصور سے عشق کی تپش حاصل ہوتی ہے اور یہی عشق ہی دیدار کی نعمت عطا کرتا ہے۔

سفینے۔ کشتیاں۔ مراد معصوم مسلمانوں کی زندگیاں جنہیں ملا و صوفی نے گمراہ کیا۔

ناخوش اندیشی۔ بری اور گمراہ سوچ جو دوسروں کو بھی تباہ کردے۔

عشقِ حق تعالیٰ

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ (البقرۃ-165)

ترجمہ: ''اور جو ایمان لائے اللہ کے لئے ان کی محبت بہت شدید ہے۔''

انسان کو بہت سے رشتوں اور اشیاء سے محبت ہوتی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ سے محبت' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت، ماں، باپ، بیوی، بچے، بہن، بھائی، رشتہ دار، دوست، گھر، زمین، جائیداد، شہر، قبیلہ، برادری، خاندان، ملک اور کاروبار وغیرہ سے محبت۔ جس محبت میں شدت اور جنون پیدا ہو جائے اور وہ باقی تمام محبتوں پر غالب آ جائے اسے عشق کہتے ہیں۔ عشق باقی تمام محبتوں کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے اور ان پر حاوی ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اِرشادِ مبارک ہے ''اِس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں تم کو تمہاری جانوں، بیوی، بچوں، گھر بار اور ہر چیز میں سب سے زیادہ پیارا نہیں ہو جاتا۔'' (بخاری و مسلم) اللہ نے اللہ پاک سے شدید محبت کو

مومنین کی صفت قرار دیا ہے اور عشق کا خمیر انسان کی روح میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک مخفی و پوشیدہ تھی پھر ذات کے اندر ایک جذبہ پیدا ہوا کہ میں پہچانا جاؤں۔ یہ چاہت اور جذبہ اس شدت سے ظہور پذیر ہوا کہ صوفیاء کرام نے اسے عشق سے تعبیر کیا۔ اسی جذبۂ عشق میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے ''نورِ احمدی'' کو جدا کیا اور پھر نورِ احمدی سے تمام مخلوقات کی ارواح تخلیق ہوئیں جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے ''میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے۔''

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جان لو جب اللہ واحد نے حجلہ تنہائی وحدت سے نکل کر کثرت میں ظہور فرمانے کا ارادہ فرمایا تو اپنے حسن و جمال کے جلوؤں کو صفائی دے کر عشق کا بازار گرم کیا جس سے ہر دو جہان اس کے حسن و جمال کی شمع پر پروانہ وار جلنے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے میم احمدی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا نقاب پہنا اور صورتِ احمدی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اختیار کر لی''۔ (رسالہ روحی شریف)

اقبالؒ عشقِ حقیقی کی ابتدا کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب عشق (اللہ تعالیٰ) نے اپنا دربارِ عشق سجایا تو خود عشق کے لیے اپنا محبوب بنایا اور پھر محبوب کی روح سے تمام مخلوق کی ارواح کو تخلیق کر کے اپنے محبوب کے ساتھ عشق کی محفل سجا دی۔

صبحِ ازل جو حُسن ہوا دلستانِ عشق
آوازِ کُن ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق

صبحِ ازل۔ کائنات کی ابتدا کے وقت

حُسن۔ جمالِ الٰہی

دلستانِ عشق۔ عشق کا دِل لے لینے والا

آوازِ کن۔ اللہ تعالیٰ نے کن (ہو جا) کے الفاظ کہہ کر کائنات تخلیق کی۔

تپش آموز۔ عشق کی تڑپ اور گرمی سکھانے والی

جانِ عشق۔ عشق کی روح، مراد عاشق۔ اللہ نے کن کہہ کر جہاں دنیا تخلیق کی اور کائنات میں حیات کی بنیاد رکھی وہیں اپنی اشرف تخلیق انسان میں عشق کا جذبہ بھی پھونک دیا۔

یہ حکم تھا کہ گلشنِ کن کی بہار دیکھ
ایک آنکھ لے کے خوابِ پریشاں ہزار دیکھ

ہے ابد کے نسخۂ دیرینہ کی تمہید عشق
عقلِ انسانی ہے فانی' زندۂ جاوید عشق

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسں، وہی طٰہٰ

گلشنِ کن۔ کن کہہ کر تخلیق کی گئی کائنات

خوابِ پریشاں۔ بُرے خواب۔ مراد کہ اللہ خود بھی حسین ہے اور اس کی بنائی دنیا بھی حسین ہے' انسان کو آنکھیں دیں اور حکم دیا کہ دنیا کے نظارے بھی دیکھ اور میرے جلووں کی طلب بھی کر۔ انسان کو عشق کا جذبہ دیا۔ اب انسان پریشان ہے کہ خالق سے عشق کرے یا اس کی تخلیق سے۔

ابد۔ کائنات کے اختتام کے بعد کا وقت

نسخۂ دیرینہ۔ پرانی کتاب

تمہید۔ آغاز۔ یعنی ابد کے نہ ختم ہونے والے وقت کی ابتدا عشق سے ہوگی اس وقت صرف اللہ سے عشق کرنے والے باقی رہیں گے باقی سب فنا ہو جائیں گے۔

زندۂ جاوید۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا۔

نگاہِ عشق و مستی۔ حقیقی عشق کی نظر سے دیکھنے والوں کی نگاہ۔

وہی اوّل۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی اوّل تخلیق۔ جلوۂ حق کی پہلی تجلی نورِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صورت میں ہوئی۔

وہی آخر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تخلیق کی انتہا بھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری نبی ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وہی قرآن۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خلق قرآن ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات مبارکہ قرآن کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہے۔

یٰسں و طٰہٰ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صفاتی نام۔ یٰسں اور طٰہٰ حروف مقطعات میں سے ہیں جن کے حقیقی معنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی بہت سی صفات ایسی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے ''میری حقیقت سے میرے ربّ کے سوا کوئی نہیں واقف۔''

لَوح بھی تُو قلَم بھی تُو، تیرا وجود اَلکتاب
گُنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حُباب

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مصطفیٰؐ آئینہ رُوئے خُدا ست
منعکس دَر وے ہمہ خوئے خُدا ست

ترجمہ: مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ تعالیٰ کے چہرے کا آئینہ ہیں اور اُن میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور ہر صفت منعکس ہے۔

کائنات کی ابتدا عشق ہے اور انسان کی تخلیق عشق کے لیے ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورِ مبارک سے جب ارواح کو پیدا کیا گیا تو عشقِ الٰہی کا جوہرِ خاص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے ارواحِ انسانی کے حصہ میں آیا۔

دیدارِ حق کے لیے طالب کے دل میں جذبۂ عشق کا پیدا ہونا لازم ہے۔ دراصل روح اور اللہ کا رشتہ ہی عشق کا ہے۔ بغیر عشق نہ تو روح بیدار ہوتی ہے اور نہ ہی "دیدار" پا سکتی ہے۔ عشق ایک بیج کی صورت میں انسان کے اندر موجود ہے مگر سویا ہوا ہے۔ جیسے جیسے ذکر و تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات، مشقِ مرقومِ وجودیہ اور مرشد کی توجہ سے یہ روح کے اندر بیدار ہونا شروع ہوتا ہے ویسے ویسے روح کی اللہ کے لیے تڑپ اور کشش میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

لوح۔ تختی جس پر تمام انسانیت کی تقدیر لکھی ہے۔

قلم۔ جس سے تقدیر لکھی گئی۔

تیرا وجود۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک ذات

الکتاب۔ قرآن

گنبدِ آبگینہ رنگ۔ شیشے کے رنگ کا گنبد مراد آسمان۔

محیط۔ وسیع سمندر۔ یہاں مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نوری ذات کا سمندر ہے۔

حباب۔ بلبلہ۔ یعنی یہ تمام کائنات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے ہی تخلیق ہوئی اور آپ کی ذات کے مقابلے میں ان اشیاء کی وہی حیثیت ہے جو سمندر کے سامنے بلبلے کی ہے۔

فقراء کاملین نے عشق کو دیدارِ حق کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔ عشق کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔

عشقِ حقیقی ہی بارگاہِ ربّ العالمین میں باریابی دلاتا ہے۔ عشق ہی انسان کو ''شہ رگ'' کی روحانی راہ پر گامزن کر کے آگے لے جانے والا ہے۔ یہی اس راہ سے شناسا کراتا ہے، یہی روح کے اندر وصالِ محبوب کی تڑپ کا شعلہ بھڑکاتا ہے، یہی اسے دن رات بے چین و بے قرار رکھتا ہے، آتشِ ہجر تیز کرتا ہے اور یہی ''دیدارِ حق'' کا ذریعہ بنتا ہے۔

❁ محبوب سبحانی قطب ربانی سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اپنے رسالہ اسرارِ الٰہیہ (الرسالۃ الغوثیہ) میں بیان فرماتے ہیں ''میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا پھر میں نے سوال کیا اے رب! عشق کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا! ''اے غوث الاعظم (رضی اللہ عنہ)! عشق میرے لیے کر، عشق مجھ سے کر اور میں خود عشق ہوں اور اپنے دل کو اپنی حرکات کو میرے ماسوا سے فارغ کر دے۔ جب تم نے ظاہری عشق کو جان لیا پس تم پہ لازم ہو گیا کہ عشق سے فنا حاصل کرو۔ کیونکہ عشق عاشق اور معشوق کے درمیان پردہ ہے پس تم پر لازم ہے کہ غیر سے فنا ہو جاؤ کیونکہ ہر غیر عاشق اور معشوق کے درمیان پردہ ہے۔''

❁ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا قول ہے:

سجدۂ مستانہ ام باشد نماز
دردِ دل با او بود قرآنِ من

ترجمہ: مستانہ وار محبوب کو سجدہ کرنا عاشقوں کی نمازِ حقیقی ہے اور درد بھرے دل کا سوز و گداز ان کا قرآن پڑھنا ہے۔

❁ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عشق آں شعلہ است کہ جوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ترجمہ: عشق ایسا شعلہ ہے کہ جب بھڑک اُٹھتا ہے تو معشوق (حقیقی) کے سوا تمام چیزوں کو جلا دیتا ہے۔

❁ خواجہ حافظ فرماتے ہیں: ''جو شخص دل میں اللہ کا عشق نہیں رکھتا یقیناً اس کی عبادت بے سود مکروریا ہے۔'' (دیوانِ حافظ)

❁ بابا بلھے شاہؒ اپنی کافی ''نی میں ہن سنیا'' میں فرماتے ہیں کہ اللہ کے عاشق علم وعقل کی بلندیاں پار کر کے جہاں پہنچ جاتے ہیں اس کی عالموں فاضلوں کو کچھ خبر نہیں۔

❁ میاں محمد بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جنہاں عشق خرید نہ کیتا عیویں آ بُھگتے
عشقے باجھ محمد بخشا کیا آدم کیا کُتے

ترجمہ: جنہوں نے اس دنیا میں عشق کا سودا نہ کیا اُن کی زندگی فضول اور بےکار گزری اور عشق کے بغیر آدم اور کُتے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جس دِل اندر عشق نہ رچیا کُتے اس تھیں چنگے
خاوند دے گھر راکھی کردے صابر بُھکے ننگے

ترجمہ: جو دِل عشقِ الٰہی میں مبتلا نہ ہوا اُس سے تو کُتے بہتر ہیں کہ اپنے مالک کے گھر کی نگہبانی تب بھی صبر سے کرتے ہیں جب مالک انہیں کھانے کو بھی نہ دے اور دھکے مار کر نکالنے کی کوشش کرے تو بھی نہیں جاتے۔

❁ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں بھی اپنے مرشد مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کی طرح عشق ہی راہِ فقر کی کلید ہے اور عشق ہی منزل تک پہنچاتا ہے۔ راہِ فقر راہِ عشق ہی ہے۔ عشق کے بغیر فقر کی انتہا ''دیدارِ الٰہی'' تک پہنچا ہی نہیں جا سکتا۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ بھی تمام عارفین کی طرح عشق کے بغیر ایمان کو نامکمل قرار دیتے ہیں:

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیؐ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
کیا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز

دمِ جبرئیل۔ حضرت جبرائیلؑ کا سانس، مراد یہ کہ عشق ہی سے فرشتوں کے نور کی تخلیق ہوئی۔

دلِ مصطفیؐ۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مبارک قلب جو عشقِ الٰہی سے سرشار ہے۔ مراد یہ کہ مومنین کے قلوب اور ارواح بھی عشق سے اور عشق کے لیے تخلیق ہوئے۔

رسول۔ پیغام پہنچانے والا

کلام۔ بات، گفتگو۔ یعنی عشق ہی کے وسیلے سے اللہ کی بات اور اصل پیغام انسان تک پہنچتا ہے۔

کافر و زندیق۔ خدا کو نہ ماننے والا، منافق۔ جس دل میں اللہ کے عشق سے بڑھ کر دنیا اور دنیا کے رشتوں کی محبت موجود ہو وہ زبان سے لاکھ اسلام کا اقرار کرے وہ کافر ہے کیونکہ اس نے دنیا کی محبت کو اللہ کے عشق پر ترجیح دی اور دنیا والوں کو اللہ کی محبت اور اللہ کے خوف میں شریک بنایا۔

مرشدِ اوّلین۔ اللہ کی طرف رستہ دکھانے والا پہلا راہنما۔

شرع و دیں۔ اسلامی قوانین اور مذہبی ارکان، نماز روزہ وغیرہ۔

بت کدۂ تصورات۔ کافرانہ و مشرکانہ خیالات کا بت خانہ۔ اگر دل میں لوگوں اور اشیاء کی محبت کے بت یا اپنی خواہشات کے بت رکھ کر اللہ کی عبادت کی جائے تو وہ عبادت نہیں بت پرستی ہے۔ کیونکہ عبادت صرف جسم سے نہیں بلکہ دل اور روح سے کی جاتی ہے۔

بساط۔ شطرنج

وارثِ پرویز۔ بادشاہ خسرو پرویز کا جانشین۔ عشق کی قوت انسان کے درجات دنیا میں بھی بلند کرتی ہے اور آخرت میں بھی۔

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حُنین بھی ہے عشق

توڑ دیتا ہے بتِ ہستی کو ابراہیمِ عشق
ہوش کا دارو ہے گویا مستیِ تسنیمِ عشق

صدقِ خلیلؑ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صدق اور واحدانیت پر یقین، جس کی وجہ سے انہیں آگ میں ڈال دیا گیا اور آگ آپ پر ٹھنڈی ہوگئی۔ آپ کا یقین عشق کی بدولت تھا، آگ میں کود جانے کی ہمت بھی عشق سے ملی اور آگ کی تپش بھی عشق کی شدید آتش کی وجہ سے آپ پر ٹھنڈی ہوگئی۔

صبرِ حسینؓ۔ معرکۂ کربلا میں حضرت امام حسینؓ کا صبر بھی عشقِ حقیقی کی بدولت تھا جس نے انہیں تسلیم ورضا کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچا دیا۔

معرکۂ وجود۔ جسم اور روح کی جنگ جس میں کبھی جسم اور اس کی خواہشات غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں تو کبھی روح اور اس کی خواہشات۔ جسم و روح کی یہ جنگ بھی عشق ہی کی بدولت ہے۔ جن لوگوں میں عشقِ حقیقی نہیں ہوتا ان میں یہ جنگ بھی نہیں ہوتی کیونکہ ان کا جسم ہمیشہ ان کی روح پر غالب رہتا ہے۔

بدر و حنین۔ مقامِ بدر اور حنین پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت میں صحابہ کرامؓ نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق میں سرشار ہو کر جنگیں لڑی اور فتح پائی۔

بتِ ہستی۔ جسم، وجود اور انا کا بت

ابراہیمِ عشق۔ عشق کا ابراہیمؑ۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑ دیا اسی طرح عشق بھی وجود اور انا کے بتوں کو توڑ دیتا ہے۔

ہوش۔ عقل

دارو۔ دوا

مستی۔ مدہوشی نشہ

تسنیم۔ جنت کی ایک نہر کا نام۔ یعنی عشق کی مستی عقلِ حقیقی کے لیے دوا کا کام کرتی ہے۔ عقل اللہ کی نعمت ہے جو اللہ نے انسان کو اس لیے دی تاکہ وہ اس کائنات میں موجود اللہ کی نشانیوں پر غور کر کے اللہ کو پہچانے لیکن انسان کی عقل اس دنیا میں ہی پھنسی رہتی ہے اور اس کی رنگینیوں میں ہی مدہوش رہتی ہے۔ جب عشقِ حقیقی کی دوا اسے ملتی ہے تو اسے ہوش آتی ہے اور وہ اللہ تک پہنچتی ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام
عشق فقیرِ حرم، عشق امیرِ جنود
عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقامات

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

آدابِ خود آگاہی۔ اپنی ذات اور اپنی حقیقت یعنی خودی کو پہچاننے کے آداب۔

غلاموں۔ اپنے نفس اور خواہشات کے غلام

اسرارِ شہنشاہی۔ حکمرانی کے راز۔ عشق کی بدولت انسان اپنے نفس پر بھی حکمران ہو جاتا ہے اور کائنات پر بھی۔ کائنات کی کوئی رکاوٹ اسے اللہ تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی اور جب وہ اللہ تک پہنچ جاتا ہے تو کائنات کی ہر شے اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے۔

مردِ خدا۔ بندۂ مومن

صاحبِ فروغ۔ ہر دم ترقی پذیر۔ بہتر سے بہترین کی جانب گامزن۔

فقیرِ حرم۔ فقر کی راہ پر چلنے والا مومن جس کا مقام اللہ کا حرم ہے۔

امیرِ جنود۔ لشکر کا سردار

ابنِ السبیل۔ جو مال و دولت اور خزانے تو رکھتا ہو مگر ان پر قابض نہ ہو اور انہیں اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتا ہو۔

ہزاروں مقامات۔ اللہ کے قرب کی راہ پر آگے بڑھتے ہوئے عشق ہزاروں مقامات سے گزرتا ہے۔

جست۔ چھلانگ

قصہ تمام۔ کہانی ختم کر دی

بے کراں۔ بے حد وسیع۔ جس کا کوئی کنارہ نہیں

عشق کے خورشید سے شامِ اجل شرمندہ ہے
عشق سوزِ زندگی ہے، تا ابد پائندہ ہے

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دم بہ دم

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات' عشق سے نارِ حیات

حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دِل کی موت ہے دوری

موجودہ زمانہ کو آپ رحمتہ اللہ علیہ دیکھتے ہیں تو عشق کہیں نظر نہیں آتا۔ علم و عقل کا دور ہے۔

خورشید۔ چمکدار سورج

شامِ اجل۔ موت کی شام

سوزِ زندگی۔ زندگی کی حرارت

تا ابد پائندہ۔ ہمیشہ رہنے والا

نوائے زندگی۔ زندگی کی آواز

زیرو بم۔ اتار چڑھاؤ، رنگارنگی خوبصورتی۔

مٹی کی تصویر۔ مٹی سے بنا انسانی جسم

سوزِ دم بہ دم۔ ہر سانس میں پیدا ہونے والی حرارت، جذبوں کی گرمی

مضراب۔ ستار بجانے والا چھلا

نغمہ۔ گیت، ترانہ

تارِ حیات۔ زندگی کا ساز۔ عشق زندگی کے ساز میں گیت بھرتا ہے۔

نورِ حیات۔ زندگی کا نور

نارِ حیات۔ زندگی کی حرارت، گہما گہمی

حدِ ادراک۔ عقل و فہم کی حد

دل کی موت۔ روح کی موت

دوری۔ اللہ کی ذات سے دوری

عقل ہے بے زمام ابھی، عشق ہے بے مقام ابھی
نقش گرِ ازل! ترا نقش ہے ناتمام ابھی
دانش و دین و علم و فن بندگیٔ ہوس تمام
عشقِ گرہ کُشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی
جوہرِ زندگی ہے عشق، جوہرِ عشق ہے خودی
آہ کہ ہے یہ تیغِ تیز پردگیِ نیام ابھی

آپ رحمۃ اللہ علیہ پیام دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عشق کے جہاں میں ہر ایک کو اپنا مقام خود پیدا کرنا پڑتا ہے، یہاں حسب نسب کام نہیں آتے۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

اقبالؒ کے نزدیک عشق ہی انسان کی تربیت کرتا ہے اور اس کے اندر سے غیر اللہ کو نکال کر اُسے بارگاہِ حق کے لائق بناتا ہے:

بے زمام۔ بغیر لگام کے، قابو سے باہر
بے مقام۔ اپنے اصل مقام سے دور
نقش گر ازل۔ ازل کا مصور، اللہ تعالیٰ
نقش۔ تصویر، مراد انسان جو اللہ کا بنایا ہوا نقش ہے
ناتمام۔ نامکمل، آج کا انسان جسم تو ہے روح نہیں۔ اللہ کی ذات کا اظہار اس میں کامل نہیں ہے۔
دانش۔ عقل
فن۔ کاریگری
بندگیٔ ہوس۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لالچ میں کی گئی محنت، عبادت اور ہر طرح کی جدوجہد۔
عشقِ گرہ کشا۔ تمام مشکلات کو حل کرنے والا عشق۔ اللہ کے عشق کی قوت سے دینی و دنیاوی تمام مشکلات کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔
جوہرِ عشق۔ عشق کی حقیقت
تیغِ تیز۔ تیز تلوار (عشق کی)
پردگیِ نیام۔ نیام میں چھپی ہوئی ہے
دیار۔ علاقہ، ملک

اقبالؒ عشق نے مرے سارے بَل دیئے نکال
مدت سے آرزو تھی کہ سیدھا کرے کوئی

مسلمان اگر عشقِ الٰہی میں مبتلا نہیں ہے تو علامہ رحمتہ اللہ علیہ اسے مسلمان نہیں سمجھتے۔

مسلم ار عاشق نباشد کافر است

ترجمہ: مسلمان اگر عاشق نہیں تو وہ مسلمان نہیں کافر ہے۔

مسلمانوں کے زوال کی وجہ بھی عشقِ حقیقی سے محرومی ہے:

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

آپ رحمتہ اللہ علیہ کی فارسی شاعری میں بھی عشق کا سوز و ساز موجود ہے:

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست
اصل عشق از آب و باد و خاک نیست

ترجمہ: عشق کو تلوار اور خنجر سے کوئی خوف نہیں ہے کیونکہ عشق کی اصل (بنیاد) پانی، ہوا اور خاک (یعنی عناصر اربعہ) سے نہیں ہے، اربعہ عناصر سے جسم تخلیق ہوا۔ عشق کا تعلق جسم سے نہیں بلکہ روح سے ہے۔

در جہاں ہم صلح و ہم پیکار عشق
آبِ حیواں، تیغِ جوہر دار عشق

ترجمہ: دنیا میں عشق صلح بھی ہے اور جنگ بھی۔ وہ آبِ حیات بھی ہے اور تیز کاٹ والی تلوار بھی۔

1 عشق صیقل می زند فرہنگ را
جوہرِ آئینہ بخشد سنگ را

2 اہلِ دل را سینۂ سینا دہد
باہنر منداں یدِ بیضا دہد

بَل۔ ٹیڑھا پن

3 پیشِ او ہر ممکن و موجود مات
جملہ عالم تلخ و او شاخِ نبات

4 گرمی افکارِ ما از نارِ اوست
آفریدن جاں دمیدن کارِ اوست

5 عشق مور و مرغ و آدم رابس است
عشق تنہا ہر دو عالم رابس است

6 دلبری بے قاہری جادوگری است
دلبری با قاہری پیغمبری است

7 ہر دو را در کارہا آمیخت عشق
عالمے در عالمے انگیخت عشق

۱۔ عشق انسان کو سان پر لگاتا ہے اور یوں گویا پتھر کو آئینہ بناتا ہے اور وہ اس آئینہ سے دیدار (الٰہی) کرتا ہے۔ ۲۔ عشق اہلِ دل کو وادی سیناؔ[1] کا سینہ عطا کرتا ہے اور اہلِ ہنر کو یدِ بیضا عطا کرتا ہے۔ یعنی ایسا سینہ جس میں خدا کی تجلیات کا ظہور ہوتا ہے اور عشق ہی کی بدولت عاشق ایسے کارنامے انجام دیتے ہیں، جن میں معجزوں کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ ۳۔ عشق کے سامنے ہر ممکن اور موجود (کائنات کی ہر شے) سرنگوں ہے۔ اگر سارا جہان کڑوا ہے، تو عشق گویا مصری کی ڈلی ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا میں اگر کوئی دل کشی اور دل ربائی ہے تو یہ سب عشق کے باعث ہے ورنہ بصورتِ دیگر ساری کائنات ایک بے قدر و منزلت اور بے مزہ یا کڑوی شے ہوتی۔ ۴۔ ہمارے افکار میں حرارت و گرمی عشق ہی کی آگ کے باعث ہے۔ پیدا کرنا اور روح پھونکنا عشق کا کام ہے۔ گویا عشق روح کو بیدار کر کے اس (روح) میں دیدار کی قوت پیدا کرتا ہے۔ ۵۔ عشق، چیونٹی، پرندہ اور

---

[1] جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ملاقات اور گفتگو کے لیے جایا کرتے تھے۔ طور کا پہاڑی وادی سینا میں ہے۔

انسان یعنی سب مخلوق کے لیے کافی ہے۔ عشق اکیلا ہی دونوں جہانوں کے لیے کافی ہے۔ گویا ہر مخلوق کے وجود کے لیے ضروری ہے اور دونوں جہانوں کے مقاصد عشق ہی کے طفیل عمل پذیر اور پورے ہوتے ہیں۔ یا یہ کہ اگر دونوں جہانوں سے مستفید و مستفیض ہونے کی خواہش ہو تو اس کے لیے عشق بنیادی ضرورت ہے۔ ۶۔ قاہری (جلال) کے بغیر جو دلبری (مرشد کو دلبر بھی کہتے ہیں) ہے وہ محض جادوگری ہے۔ دلبری قاہری کے ساتھ ہو تو وہ پیغمبری ہے۔ حقیقی حسن وہ ہے جس میں اللہ کا جلال اور جمال دونوں ہوں اور جب دونوں صفات اس میں ہوں گی تو وہ پیغمبری شان کا حامل ہوگا۔ ۷۔ عشق نے ان دونوں یعنی قاہری (جلال) اور دلبری (جمال) کو کاموں میں باہم ملا رکھا ہے۔ عشق نے ایک عالم کے اندر ایک اور عالم برپا کر رکھا ہے۔ گویا دونوں میں سے کوئی ایک بھی تنہا مثبت نتیجے پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے اس لیے عشق نے انہیں کاموں میں باہم مصروف رکھا ہے۔ ''ایک عالم کے اندر ایک اور عالم'' سے مراد جمال میں جلال کی اور جلال میں جمال کی صفات پیدا کر رکھی ہیں کہ اسی سے دنیا کا صحیح وجود برقرار رہ سکتا ہے اور ان دونوں کی بدولت ہی نت نئے جہانوں کی تعمیر ہو سکتی ہے۔

اصل ''توحید'' عشق ہے اور عشق کے بغیر توحید ایسے ہے کہ جیسے تلوار کے بغیر ایک خالی نیام۔

عاشقی؟ توحید را بر دل زدن
وانگہے خود را بہر مشکل زدن

ترجمہ: عاشقی کیا ہے؟ عاشقی توحیدِ ایزدی (اللہ تعالیٰ) کو دِل میں بسانا ہے اور پھر ہر مشکل سے ٹکرانا ہے یا ہر مشکل کا سامنا کرنا ہے تاکہ توحید صحیح معنوں میں پختہ ہو جائے۔

تو ہم بذوقِ خودی رس کہ صاحبانِ طریق
بریدہ از ہمہ عالم بخویش پیوستند

ترجمہ: تو بھی خودی کا ذوق خود میں پیدا کر کیونکہ عشق کے مسلک[1] پر چلنے والے ساری دنیا سے

---

[1] طریقہ، راستہ

کٹ کر اپنی ذات میں محو ہو گئے۔ تُو بھی ان کا مسلک اختیار کر کے اپنی معرفت حاصل کر اور یوں دنیا پر چھا جا۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالدحیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

ترجمہ: برسوں زندگی کبھی کعبہ میں کبھی بت خانہ میں روتی ہے تب جا کر عشق کے پردے سے ایک دانائے راز (انسانِ کامل یا اقبالؒ کا مردِ مومن) باہر نکلتا ہے۔

❁ فیض احمد فیضؔ کے بقول عشق کی بازی میں ہار جیت کا تصور کرنا ہی محال ہے، یہاں ہار بھی جیت ہی ہے:

گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

عاشق کی انتہا ''مرتبہ معشوق''

عاشق کی انتہا مرتبہ معشوق (محبوب) ہے۔

عشق کی انتہا یہ ہے کہ عاشق عشق کرتے کرتے معشوق بن جاتا ہے اور معشوق عاشق بن جاتا ہے۔ اس کے متعلق سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ نور الہدیٰ کلاں میں فرماتے ہیں:

❁ مرتبہ فقر اصل میں مرتبہ معشوق ہے۔ عشق کی انتہا یہ ہے کہ عاشق عشق کرتے کرتے معشوق بن جاتا ہے اور معشوق عاشق بن جاتا ہے۔ معشوق کو جس چیز کی خواہش ہو عاشق اسے مہیا کر دیتا ہے بلکہ معشوق کے دِل میں جو بھی خیال گزرتا ہے اس کی خبر عاشق کو ہو جاتی ہے اور وہ معشوق کی خواہش کو ایک ہی نگاہ میں پورا کر دیتا ہے۔

اقبالؒ اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

چوں تمام افتد سراپا نازمی گردد نیاز
قیس را لیلیٰ همی نامند در صحرائے من

ترجمہ: جب عشق کمال کو پہنچ جاتا ہے تو وہ سراپا ناز (محبوب) کی صورت اختیار کر لیتا ہے، چنانچہ میرے صحرائے عشق میں قیس کو لیلیٰ کہا جاتا ہے۔ یعنی عاشق کا عشق جب کمال کو پہنچ جاتا ہے تو عاشق گویا خود معشوق بن جاتا ہے۔

از نگاہِ عشق خارا شق بود
عشقِ حق آخر سراپا حق بود

ترجمہ: عشق کی نگاہ سخت پتھر کو بھی توڑ دیتی ہے۔ حق کا عشق آخر کار خود حق کی مکمل صورت بن جاتا ہے۔ (حق کے ساتھ عشق آخر خود حق بن جاتا ہے)

علم، عقل اور عشق

عقل کا منبع دماغ اور عشق کا مرکز دِل ہے اور دِل میں اللہ تعالیٰ کی جلوہ گری ہے۔ تمام دنیاوی علوم کی بنیاد عقل اور خرد پر ہے اور یہ سب علوم عقل ہی کی بدولت حاصل کیے جاتے ہیں تو بدلے میں یہ عقل و خرد میں اضافہ بھی کرتے ہیں۔ انسانی عقل اور اس کا علم محدود ہے۔ عقل اور اس کی بِنا پر حاصل کردہ علم ہمیں زمان و مکان کی حدود سے باہر نہیں لے جا سکتا اور عقل اور علم کی بِنا پر ہمیں اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب ہم علم اور عقل کی حدود پار کر کے عشق کی حدود میں داخل ہوتے ہیں تو عشق تمام حدود پار کر کے ہمیں ''لامکان'' تک پہنچا دیتا ہے۔

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے ''ہم عشقِ اللہ کو علم و عقل سے بیان نہیں کر سکتے''۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عِشق آمد عقل خود آوارہ شُد
شمس آمد شمعِ خود بیچارہ شُد

ترجمہ: عشق آ گیا تو عقل بے چاری بے کار ہوگئی جیسے سورج نکلا تو شمع کی ضرورت نہ رہی۔

رہِ عقل جُز پیچ در پیچ نیست
رہِ عاشقاں جُز خدا ہیچ نیست

ترجمہ: عقل کا راستہ بہت پیچیدہ اور مشکل ہے اور عاشقوں کا راستہ خدا کے سوا کچھ نہیں۔

خواجہ حافظ فرماتے ہیں:

''حکایتِ عشق حرف و آواز سے بری و بالا ہے''۔

عشقِ اللہ سے سرشار اور مست انسان اپنی دید کے نظارہ سے بڑے سے بڑے عالم و فاضل کو بھی دیوانہ بنا دیتا ہے۔ دیوانِ شمس تبریزؒ میں ہے ''گرچہ تو علمیت میں افلاطون و لقمان بھی ہو' میں تجھے اپنی دید کے ایک ہی جلوہ سے نادان بنا دوں گا''

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''علم اور عقل عشقِ الٰہی کی راہ کی بڑی کمزوری ہے۔ عشقِ الٰہی میں وہ لُطف و سرور ہے کہ اگر کسی جید عالم کو اس کا ذرہ سا مزہ مل جائے تو وہ تمام علمیت بھول کر عشقِ الٰہی میں گُم ہو جائے۔'' آپ رحمتہ اللہ علیہ ایک پنجابی بیت میں فرماتے ہیں:

عشق سمندر چڑھ گیا فلک تے کتوں جہاز کچیوے ھُو
عقل فکر دِی ڈونڈی نوں چا پہلے پور بوڑیوے ھُو
کڑکن کپڑ پوون لہراں جد وحدت وِچ وڑیوے ھُو
جس مرنے تھیں خلقت ڈردی باھُوؒ عاشق مرے تاں جیوے ھُو

ترجمہ: عشق کا دریا چڑھ کر وحدت کے بحرِ بیکراں تک پہنچ گیا ہے۔ فقر تو محض عشق کی راہ ہے اس میں عقل کا کیا کام۔ اس لئے عقل و فکر کی ناکارہ کشتی کو پہلے دن ہی ڈبو کر اس سے نجات حاصل کر

لینی چاہیے۔ دریائے وحدت میں جب طالب داخل ہوتا ہے تو تکالیف' مشکلات اور مصائب کے خطرات کا تو سامنا کرنا ہی پڑتا ہے اور جس موت سے خلقت ڈرتی ہے عاشق کو اِسی موت کے بعد حیاتِ ابدی نصیب ہوتی ہے۔

- علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ عقل اور عشق کے متعلق فرماتے ہیں:

- گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے' منزل نہیں ہے

- تازہ مِرے ضمیر میں معرکہ کُہن ہوا
عشق تمام مصطفیؐ ، عقل تمام بُو لہب

- عقل عیّار ہے' سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ مُلّا ہے' نہ زاہدٗ نہ حکیم

چراغِ راہ۔ راستہ دکھانے والی روشنی

منزل۔ اللہ کی ذات کا قرب و دیدار۔ اللہ عقل سے ماورا ہے عقل اس تک پہنچنے کا راستہ تو دکھا سکتی ہے لیکن منزل تک صرف عشق پہنچاتا ہے۔ اللہ کی معرفت عقل سے حاصل کرنا ممکن نہیں کیونکہ اللہ انسان کی عقل میں نہیں سماتا۔

تازہ۔ دوبارہ شروع ہونا، پھر واقع ہونا۔

ضمیر۔ باطن

معرکہ کہن۔ پرانی جنگ، حق باطل کے درمیان ازل سے جاری رہنے والی جنگ۔

عشق تمام مصطفیؐ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سراپا عشق ہے۔ ان کا اللہ تعالیٰ سے شدید عشق ہی انہیں معراج کی رات وقت اور زمین و آسمان کی حدود سے نکال کر اللہ تک لے گیا۔

عقل تمام بولہب۔ ابولہب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام اور حقیقت کو عقل کے مطابق سمجھا اور انہیں صرف ایک انسان پایا جبکہ صحابہ کرامؓ نے عشق کی قوت سے ان کی حقیقت کو پہچان لیا اور مظہرِ حق تعالیٰ پایا۔

عیّار۔ مکار، دھوکہ باز

زاہد۔ زہد و عبادت کرنے والا

عقل نفع ونقصان کا حساب رکھتی ہے' لیکن عشق ان باتوں سے ماورا ہے:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

علم اور عشق کا موازنہ کرتے ہوئے آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن! کِرمِ کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور' علم سراپا حجاب!

عشق کی گرمی سے معرکۂ کائنات
علم مقامِ صفات' عشق تماشائے ذات

بے خطر۔ بے دھڑک، بلاخوف

آتشِ نمرود۔ نمرود کی آگ جو اس نے حضرت ابراہیمؑ کو جلانے کے لیے بھڑکائی تھی۔

محوِ تماشا۔ نظارہ کرنے میں مشغول

لبِ بام۔ چھت پر، عشق اپنے محبوب کو پانے کے لیے آگ میں بھی بے دھڑک کود جاتا ہے جبکہ عقل صرف اپنے نفع ونقصان کے بارے میں سوچتی ہی رہ جاتی ہے۔

دیوانہ پن۔ پاگل پن، جنون

تخمین وظن۔ اندازے اور گمان لگانے والا یعنی ہر وقت حساب کتاب کرنے والا، نفع و نقصان کے بارے میں سوچنے والا۔

کرمِ کتابی۔ کتابی کیڑا، بہت زیادہ مطالعہ کرنے والا۔

سراپا حضور۔ ہر لمحہ اللہ کے حضور حاضر اور اس کے جلووں کا مشاہدہ کرنے والا۔

سراپا حجاب۔ مکمل پردے میں، یعنی اللہ سے دور، اندھیروں میں گم۔

گرمی۔ حرارت، تیزی

معرکۂ کائنات۔ دنیا کی رونق اور چہل پہل۔

مقامِ صفات۔ اللہ کو صرف اس کی صفات کی حد تک جاننے والا۔

تماشائے ذات۔ اللہ کی ذات کا دیدار کرنے والا۔

عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات
علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب!
عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحبِ تاج و نگیں
عشق مکان و مکیں، عشق زمان و زمیں
عشق سراپا یقین اور یقین فتحِ باب

سکون۔ نفسِ مطمئنہ کا مقام جہاں پہنچ کر اللہ بندے سے راضی اور بندہ اللہ سے راضی ہو جاتا ہے، روح کو اللہ کا قرب و دیدار مل جاتا ہے تو وہ پرسکون اور مطمئن ہو جاتی ہے۔

ثبات۔ ہمیشہ کے لیے قائم و دائم۔

حیات و ممات۔ زندگی اور موت۔ عشق روح کی زندگی ہے اور نفس کی موت ہے۔

پیدا سوال۔ ظاہر سوال، علم جیسے جیسے آگے بڑھتا ہے نئے نئے سوال پیدا کرتا ہے جن کے جوابوں میں مزید سوال چھپے ہوتے ہیں۔

پنہاں جواب۔ پوشیدہ جواب۔ عشق میں ہر سوال کا جواب پوشیدہ ہے، اللہ اور کائنات کا ہر بھید عشق کے ذریعے کھلتا ہے۔

سلطنت۔ دنیاوی حکومت، صحابہ کرامؓ نے اپنے عشقِ حقیقی ہی کی قوت سے دنیا فتح کی اور سلطنتِ اسلام کو وسعت دی۔

ادنیٰ غلام۔ معمولی نوکر

صاحبِ تاج و نگیں۔ شاہی تاج اور فوج رکھنے والے یعنی دنیاوی حکمران۔ اکثر بڑے بڑے بادشاہ اولیاء اللہ اور فقراء کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے دعاؤں اور مدد کی درخواست کرتے رہے ہیں، لیکن حقیقی اولیاء و فقرا کبھی کسی حکمران کے در پر نہیں گئے کیونکہ ان کے پاس عشقِ حقیقی کی سب سے بڑی قوت اور خزانہ ہوتا ہے۔

مکان۔ گھر، ٹھکانہ

مکیں۔ مکان میں رہنے والا۔ یعنی یہ کائنات بھی عشق کی وجہ سے تخلیق ہوئی اور عشق ہی کی وجہ سے قائم ہے، اور اس میں رہنے والا انسان بھی۔

زمان۔ وقت۔ زمین کی سورج کے گرد گردش، جس کی وجہ سے وقت تخلیق ہوتا ہے، بھی عشق ہی کی بدولت ہے۔

سراپا یقین۔ اللہ کی وحدانیت پر مکمل بھروسہ۔

فتحِ باب۔ بند دروازے کا کھلنا، مراد مشکل کا حل ہونا۔ عشق کی بدولت اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ اور توکل حاصل ہوتا ہے اور اس توکل و یقین کی بدولت ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔

شرعِ محبت میں ہے عشرتِ منزل حرام
شورشِ طوفاں حلال، لذتِ ساحل حرام
عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام
علم ہے اِبن الکتاب، عشق ہے اُمّ الکتاب

عشق کی تیغِ جگردار اُڑا لی کس نے
عِلم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

(عالم عشق کی تیغ گم کر چکے ہیں اب صرف اُن کے پاس خالی نیام باقی ہے۔)

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو، وہ دِل نہ کر قبول

شرعِ محبت۔ عشقِ حقیقی کا قانون

عشرتِ منزل حرام۔ ایک جگہ ٹھہر جانے کی خوشی حرام ہے۔ عشق ہر لمحہ مزید قربِ الٰہی کی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے اور آگے بڑھتا رہتا ہے۔

شورشِ طوفاں۔ طوفان کا شور، ہر لمحہ رہنے والی عشق کی ہلچل۔ باطنی آزمائشوں کے طوفانوں سے مقابلہ کر کے ہر لمحہ آگے بڑھتے رہنا۔

لذتِ ساحل۔ ایک مقام پر ٹھہر کر سکون لینے کی لذت۔

بجلی۔ تڑپ، تپش

حاصل۔ ذاتی فائدہ، عشق ہمیشہ محبوب پر اپنا سب کچھ لٹا دینا چاہتا ہے۔

ابن الکتاب۔ کتاب سے پیدا ہوا

اُمّ الکتاب۔ کتاب کو پیدا کرنے والا، اس دنیا اور زندگی کی کتاب عشق سے پیدا ہوئی۔

تیغِ جگردار۔ جگر رکھنے والی تلوار یعنی جوش و جذبہ ابھارنے والی عشق کی تلوار جس کے ذریعے نفس سے جہاد کیا جاتا ہے۔

نیام۔ تلوار رکھنے والا خول، یعنی عشق کی تلوار تو غائب ہے اب خالی نیام سے کیسے لڑا جائے۔ علم نفس سے جہاد کے نہ تو طریقے سکھا سکتا ہے نہ قوت دے سکتا اور نفس کے جہاد کے بغیر نہ دنیا کو سنوارا جا سکتا ہے نہ دین کو اور نہ اللہ کو پایا جا سکتا ہے۔

صبحِ ازل۔ زندگی کی ابتدا کے وقت

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ اپنے فارسی کلام میں بھی علم و عقل کو ہی عشق کی راہ کی رکاوٹ قرار دیتے ہیں۔

1 عشق صید از زورِ بازو افگند
عقل مکار است و دامے می زند

2 عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقیں لاینفک است

3 آں کند تعمیر تا ویراں کند
ایں کند ویراں کہ آباداں کند

4 عقل چوں باد است ارزاں در جہاں
عشق کمیاب و بہائے او گراں

ترجمہ: 1۔ عشق اپنے بازو کی قوت سے شکار کرتا ہے لیکن عقل فطرتاً مکار ہے اور وہ مکروفریب کے جال پھیلاتی رہتی ہے۔ 2۔ عقل کا سارا سرمایہ خوف اور شک وشبہ ہے۔ اس کے برعکس عشق سے عزم اور یقین جدا ہو ہی نہیں سکتے۔ 3۔ عقل جو تعمیر کرتی ہے اس کا نتیجہ بالآخر ویرانی ہوتا ہے لیکن عشق اس غرض سے ویران کرتا ہے کہ اسے مستقل طور پر آباد کر دے (یہاں پر مرشد کی اس صفت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ طالب کی پرانی شخصیت کو ختم کر کے اُسے نئے انداز سے تراشتا ہے)۔ عقل کی تعمیر میں تخریب کا پہلو ہوتا ہے جبکہ عشق کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ 4۔ عقل اس دنیا میں ہوا سے بھی زیادہ سستی ہے۔ عشق بہت کم یاب ہے اور اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔

1 عقل محکم از اساسِ چون و چند
عشق عریاں از لباسِ چون و چند

2 عقل میگوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحانِ خویش کن

3 عقل با غیر آشنا از اکتساب
عشق از فضل است و باخود در حساب

4 عقل گوید شاد شو، آباد شو
عشق گوید بندہ شو، آزاد شو

ترجمہ: 1۔ عقل کیا' کیوں' کیسے اور کتنا جیسے سوالات اور ان کے جوابات کی بنیاد پر مستحکم ہوتی ہے جبکہ عشق ایسے سوال و جواب کا روادار ہو ہی نہیں سکتا، وہ اس لباس سے عاری ہے۔ 2۔ عقل کہتی ہے کہ اپنے آپ کو آگے بڑھا یعنی دولت' عزت' حکومت اور شہرت حاصل کر' عشق کہتا ہے کہ آگے بڑھانے کا کیا مطلب؟ اپنے آپ کو آزمانا چاہیے۔ 3۔ عقل کا سارا زور خود نمائی پر ہے جبکہ عشق اپنا محاسبہ خود کرتا ہے۔ عقل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسب[1] سے حاصل کی جاتی ہے اور مشق سے بڑھ سکتی ہے' دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسے غیر سے آشنائی پیدا کرنے میں تامل[2] نہیں ہوتا (بشرطیکہ کوئی فائدہ پہنچنے کی امید ہو) اس کے برعکس عشق صرف خدا کے فضل پر موقوف ہے۔ غیر سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ وہ ہر وقت اپنے ہی حساب اور جانچ پڑتال میں مصروف رہتا ہے۔ (وہ عقل کی طرح دوسروں کا محتاج نہیں) بلکہ وہ اپنا جائزہ آپ لے لیتا ہے۔ 4۔ عقل انسان کو یہ پیغام دیتی ہے کہ راحت و شادمانی حاصل کرو اور مزے کی زندگی گزارو اس کے برعکس عشق یہ کہتا ہے کہ اللہ کے بندے بن جاؤ اور ماسویٰ اللہ کے ہر محکومی اور غلامی سے آزاد ہو جاؤ۔

❁ پیامِ مشرق میں آپ رحمتہ اللہ علیہ عقل و عشق کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

1 عقلے کہ جہاں سوزدٗ یک جلوہٗ بے باکش
از عشق بیاموزد آئینِ جہاں تابی

2 عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد
از تاب و تبِ رومیؒ تا حیرتِ فارابی

---

[1] محنت اور کوشش [2] افسوس، رکاوٹ، پریشانی

3 این حرفِ نشاط آور می گویم و می رقصم
از عشق دل آساید، با این ہمہ بیتابی

4 ہر معنیِ پیچیدہ در حرف نمی گنجد
یک لحظہ بدل درشو، شاید کہ تو دریابی

ترجمہ: ۱۔ وہ عقل جو اپنے ایک بے خوف جلوے سے دنیا جلا ڈالتی ہے، دنیا کو روشن کرنے کا اصول عشق سے سیکھتی ہے۔ علامہؒ نے اپنے بیشتر اشعار میں عقل پر عشق کی برتری کو مختلف صورتوں میں بیان کیا ہے۔ اس شعر میں عقل کو تخریب کی اور عشق کو تعمیر کی علامت بتایا گیا ہے۔ ۲۔ یہ عشق ہی ہے جو تیری جان میں ہر کیفیت پیدا کرتا ہے، چنانچہ رومی رحمتہ اللہ علیہ کی عاشقانہ تڑپ اور ان کے سوز و گداز سے لے کر فارابی کی حیرت تک سبھی عشق کی کارفرمائیاں ہیں۔ اسی کیفیت نے ان عظیم ہستیوں کی بقا کا سامان کیا ہے۔ ۳۔ میں جب یہ نشاط آور[1] لفظ (عشق) کہتا یا ادا کرتا ہوں تو میں وجد میں آجاتا ہوں (مجھ پر وجد طاری ہو جاتا ہے) کیونکہ عشق ہی کی بدولت دل اپنی تمام تر بے قراری کے باوجود سکون و اطمینان پاتا ہے۔ ۴۔ ہر الجھا ہوا معنی الفاظ کی وساطت سے واضح نہیں کیا جا سکتا، تو کچھ دیر کے لیے اپنے دل میں ڈوب جا شاید تو اس صورت میں عشق کی کیفیت و حقیقت کو سمجھ لے۔ مطلب یہ کہ عشق کی رمز و حقیقت بڑی گہری ہے جو اسی وقت واضح اور روشن ہو سکتی ہے جب دل عشق سے آشنا ہو جائے یا جب انسان جذبۂ عشق سے سرشار ہو جائے۔

عقل او را سوئے جلوت می کشد
عشق او را سوئے خلوت می کشد

ترجمہ: عقل اس (انسان) کو جلوت (صفات کی کثرت) کی طرف کھینچتی ہے۔ جب کہ عشق اسے (طالب کو) خلوت (ذات کی وحدت) کی طرف کھینچتا ہے۔ گویا ہر طرف صفاتِ الٰہیہ کی جلوہ گری نے انسان میں عقل و عشق کو پیدا کر دیا۔ عقل اسے باہر کی دنیا کی طرف توجہ کرنے کو کہتی ہے، جبکہ

---

[1] خوشی اور سکون دینے والا

عشق انسان کو اپنے باطن کی دنیا کی طرف متوجہ کرتا ہے' یا اسے اپنے باطن کی سیر کرنے کو کہتا ہے۔ یہ ''سیر الی اللہ'' ہے جبکہ عقل والی سیر ''آفاقی'' ہے۔

عشق کا کھیل ایسا ہی نرالا ہے جسے اللہ کے عشق میں بے چین و بے قرار' صادق دل' عقل اور خرد کی حدود سے باہر نکل کر اپنی زندگی اور مال و متاع داؤ پر لگا کر کھیلتے ہیں۔ اگر جذبے صادق ہوں تو مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضوری اور دیدارِ حق نصیب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ یہ عشق ہی ہے جو دیدارِ حق تعالیٰ کا راستہ وا کرتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی ماہیت کو سمجھنے کے لیے عقل کے ہزار ہا ہزار قافلے سنگ سار ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ کو نہ پا سکے۔ فقراء نے عشق ہی کے راستہ سے دیدارِ حق تعالیٰ کی نعمت حاصل کی۔

دیدارِ حق تعالیٰ

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ فقر دیدارِ الٰہی کا علم ہے اور راہِ فقر کے راہی کا سب سے بڑا انعام دیدارِ حق تعالیٰ ہے۔ اس مقام تک پہنچنے والے کو عام اصطلاح میں عارف کہا جاتا ہے اور عارف اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر اس کی عبادت کرتا ہے یعنی وہ علم الیقین کا نہیں حق الیقین کا قائل ہوتا ہے۔

دیدارِ الٰہی یا مشاہدہ حق تعالیٰ کے لیے عربی میں دو الفاظ ''لقائے الٰہی'' اور ''رویتِ حق تعالیٰ'' استعمال ہوتے ہیں۔ لقا کے لغوی معنی دیدار، چہرہ، صورت، شکل اور ملاقات کے اور رویت کے لغوی معنی دیدار، نظارہ اور 'صورت کا نظر آنا' کے ہیں۔ اب علماء کرام اِن الفاظ کا ترجمہ کرتے وقت اپنی اپنی صوابدید کے مطابق معانی کا استعمال کرتے ہیں لیکن عارفین اور فقراء کے ہاں ''لقاء'' سے مراد ''دیدار'' ہے۔

انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالیٰ کی پہچان اور معرفت ہے' پہچان ہی دراصل دیدارِ الٰہی ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جو عارفین یعنی فقراء کو عطا کی جاتی ہے۔ لذّتِ دیدار سے بہتر کوئی لذّت نہیں

ہے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار نورِ بصارت سے نہیں نورِ بصیرت سے حاصل ہوتا ہے۔

❁ سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جو اللہ تعالیٰ کی پہچان کے بغیر اس کی عبادت کا دعویٰ کرتا ہے وہ ریاکار ہے۔''

(سِرّ الاسرار)

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق محض اس غرض سے کی ہے کہ اس کی پہچان ہو، اس کے حسنِ جلال و جمال کے جلوے آشکار ہوں اور اس پر مر مٹنے والا کوئی عاشق ہو۔ روزِ الست عشق کی یہ بھاری امانت پوری کائنات میں صرف انسان نے ہی اٹھائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی مہربانی اور شفقت فرمائی کہ عالمِ خَلق (دنیا) میں جب بھی انسان نے اس ''عہد'' کو بھولنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی صورت میں اُسے ہادی اور راہنما عطا فرما دیئے جو نہ صرف اس عہد کو یاد کراتے رہے بلکہ ''عشق کے امتحان'' میں کامیابی کی تیاری بھی کرواتے رہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، جن کے لئے یہ کائنات تخلیق کی گئی ہے، مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو عشق کا بھولا ہوا سبق یاد کرایا اور قرآنِ مجید اور سنت مبارکہ کی صورت میں ایک ضابطۂ حیات نوعِ انسانی کو دیا۔

قرآنِ مجید میں بار بار اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے:

❁ یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ ۝ (الانشقاق۔۶)

ترجمہ: اے انسان تو اللہ کی طرف کوشش کرنے والا اور اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔

پھر اس کی تشریح فرمائی:

❁ فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ ط۔ (الذّٰریٰت۔۵۰)

ترجمہ: پس دوڑو اللہ کی طرف۔

پھر مزید مہربانی فرمائی کہ تم کوشش تو کرو۔

❁ اَتَصْبِرُوْنَ وَکَانَ رَبُّکَ بَصِیْرًا ۝ع (الفرقان۔۲۰)

ترجمہ: آیا تم صبر کئے بیٹھے ہو؟ (اور اللہ کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہو؟) حالانکہ تمہارا ربّ تمہاری طرف دیکھ رہا ہے اور تمہارا منتظر ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ جو ہماری طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہماری طرف آنے کے راستے پا لیتے ہیں۔

❁ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت۔۶۹)

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری طرف آنے کی کوشش اور محنت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی طرف آنے کے راستے دکھا دیتے ہیں۔

پھر لقائے الٰہی تک پہنچنے کا طریقہ بھی بتا دیا:

❁ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔ (الکہف۔۱۱۰)

ترجمہ: جو شخص اپنے رب کا لقاء چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ اعمالِ صالحہ اختیار کرے۔

اور جو لوگ دیدارِ الٰہی کی خواہش اور کوشش نہیں کرتے ان کے بارے میں بھی وعید فرما دی:

❁ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِھَا وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۝ (یونس ۷۔۸)

ترجمہ: بے شک جو لوگ لقائے الٰہی (دیدار) کی خواہش نہیں کرتے اور دنیا کی زندگی کو پسند کر کے اس پر مطمئن ہو گئے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو بیٹھے انہیں ان کی کمائی سمیت جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

دیدارِ الٰہی سے انکاری لوگوں کے انجام سے بھی آگاہی فرما دی:

❁ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وَ لِقَآئِہٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا ۝ (الکہف۔۱۰۵)

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے رب کی نشانیوں اور اس کے لقاء (دیدارِ الٰہی) کا انکار کیا ان

کے اعمال ضائع ہو گئے۔ ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کریں گے (یعنی بغیر حساب کے انہیں جہنم رسید کیا جائے گا)۔

❁ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ط (الانعام۔۳۱)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ خسارے میں ہیں جنہوں نے لقائے الٰہی (دیدار) کو جھٹلایا۔

❁ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ط اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ○ (حٰمۤ السجدہ۔54)

ترجمہ: خوب یاد رکھو وہ اپنے ربّ کے لقاء (دیدار) پر شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یاد رکھو بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

❁ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل۔۷۲)

ترجمہ: جو شخص اس دنیا میں (لقائے الٰہی سے) اندھا رہا وہ آخرت میں بھی (دیدارِ الٰہی کرنے سے) اندھا رہے گا۔

اور پھر اپنا ٹھکانہ بھی بتا دیا:

❁ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (الذّٰریٰت۔۲۱)

ترجمہ: اور میں تمہاری سانس اور تمہاری جان کے اندر ہوں کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔

❁ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ۔۱۱۵)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب اللہ کے لئے ہے لہٰذا تم جدھر بھی دیکھو گے تمہیں اللہ تعالیٰ کا چہرہ (جیسا کہ اس کی شان کے مطابق ہے) نظر آئے گا۔

❁ حضرت جریر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا قریب ہے وہ وقت جب تم اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔'' (مشکوٰۃ)

❁ اور ایک روایت اس طرح ہے کہ ''ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چودھویں تاریخ کے چاند کو دیکھ کر فرمایا، جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو اسی طرح تم اپنے پروردِگار کو دیکھو گے اور خدا تعالیٰ کو دیکھنے میں تم کوئی اذیت اور

تکلیف محسوس نہیں کرو گے۔" (الفتح الربانی)

دیدارِ الٰہی کے تین طریقے

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ قرآن وحدیث کی رو سے رویت و دیدارِ پروردگار تین طریق سے درست وروا ہے:

(1) رویت و دیدارِ الٰہی خواب میں روا ہے، وہ خواب کہ جو اللہ تعالیٰ کے بلاحجاب قرب کے لئے خلوت خانہ کی مثل ہوتا ہے ایسے خواب کو نوری خواب کہا جاتا ہے کہ اس میں دیدارِ حضور کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔

(2) دیدارِ الٰہی مراقبے میں روا ہے، وہ مراقبہ کہ جو موت کی مثل ہو اور صاحبِ مراقبہ کو حضورِ مولیٰ میں پہنچا دے۔

(3) سرّ کی آنکھوں (نورِ بصیرت) سے دیدارِ الٰہی کرنا روا ہے، ایسے کہ جسم اس جہان میں ہو اور جان لاہوت لامکان میں ہو۔

لیکن دیدارِ الٰہی کے اِن عظیم مراتب کا فیض و فضل مرشدِ کامل سے حاصل ہوتا ہے

اسمِ اَللّٰہُ ذات تیری راہبری کے لئے ہر دم تیرے ساتھ ہے اس لئے لقائے حق کے سوا کسی اور چیز کی جستجو مت کر۔ (نور الہدیٰ کلاں)

دیدارِ الٰہی کا مُنکر

❁ دیدارِ الٰہی کے منکر کے بارے میں حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کہ منکر از خُدا دیدار شُد
اُمت نبویؐ نہ باشد خوار شُد

ترجمہ: جو شخص دیدارِ الٰہی کا منکر ہے وہ اُمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خارج ہے اور اس کے نصیب میں خواری ہے۔ (نور الہدیٰ کلاں)

سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سرّ الاسرار میں فرماتے ہیں:

❁ دنیا میں قلب کے آئینہ کے واسطہ سے اللہ عزّوجل کی صفات کا دیدار ہوتا ہے جو کہ فواد (قلب) کی نظر (نورِ بصیرت) سے (اللہ تعالیٰ کے) جمال کے انوار کا عکس دیکھنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (النجم۔11) ترجمہ: ''قلب نے اُسے نہ جھٹلایا جو (چشمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے) دیکھا۔'' جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ ترجمہ: ''مومن مومن کا آئینہ ہے۔'' یہاں پہلے مومن سے مراد مومن بندے کا قلب ہے اور دوسرے (مومن) سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ پس جو دنیا میں صفات (یعنی صفاتِ الٰہیہ) کا مشاہدہ کرے گا وہ آخرت میں (اللہ کی) ذات کو بلا کیف دیکھے گا اور دیدارِ الٰہی کے بارے میں ایسے دعوے اولیاء کرام نے اکثر کیے ہیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا: رَاٰی قَلْبِیْ رَبِّیْ بِنُوْرِ رَبِّیْ ترجمہ: میں نے اپنے قلب میں اپنے رب کو نورِ ربی کے واسطہ سے دیکھا۔ اور جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: لَمْ اَعْبُدْ رَبًّا لَمْ اَرَاہُ ترجمہ: میں اپنے رب کی عبادت تب تک نہیں کرتا جب تک میں اسے دیکھ نہ لوں۔ (سرّ الاسرار فصل 9)

اسی کتاب میں سیّدنا حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں:

❁ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: رَاَیْتُ رَبِّیْ عَلٰی صُوْرَۃِ شَابٍ اَمْرَدَ ترجمہ: میں نے اپنے رب کو بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح کی تجلی سے مراد حق تعالیٰ کا روح کے آئینہ میں اپنی صفتِ ربوبیت سے تجلی فرمانا ہے اور یہ وہی (روح) ہے جسے طفلِ معانی کا نام دیا گیا کیوں کہ یہ (روح) مربی (مرشد کامل اکمل) کے وجود کے لیے آئینہ ہے اور وہ (آئینہ) اس کے اور رب سبحانہٗ وتعالیٰ کے درمیان وسیلہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمان ہے: لَوْلَا تَرْبِیَۃُ رَبِّیْ لَمَا عَرَفْتُ رَبِّیْ ترجمہ: اگر میرا رب میری تربیت نہ

فرماتا تو میں اپنے رب کی معرفت حاصل نہ کر پاتا۔ اور اس باطنی مربی کو پانے کا سبب ظاہری مربی کی تربیت ہے جو کہ انبیاء اور اولیاء کی تلقین ہے جو وجود اور قلوب کے لیے چراغ ہے جن کی تربیت سے آخری روح (یعنی روحِ قدسی) کا دیدار ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (مومن۔15) ترجمہ: اور وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح القا فرما دیتا ہے۔

مرشد کی طلب کرنا ہر شخص کے لیے لازم ہے کیونکہ یہی وہ روح (مرشد) ہے جو قلوب کو زندہ کرتی ہے اور وہ معرفتِ حق تعالیٰ کا باعث ہے۔ پس سمجھو۔ امام غزالی رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں ''مذکورہ بالا تاویل کی رو سے نیند میں رب تعالیٰ کو صورتِ جمیلہ اخرویہ میں دیکھنا جائز ہے۔'' آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ مربی ایک مثال ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ دیکھنے والے کی (باطنی) استعداد اور مناسبت سے پیدا فرماتا ہے کہ وہ ذات کی حقیقت ہرگز نہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات صورت سے منزہ ہے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس قیاس پر دیکھنا جائز ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مختلف صورتوں میں دیکھنا، دیکھنے والے کی قابلیت کی مناسبت سے جائز ہے اور کوئی بھی حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہیں دیکھ سکتا سوائے وہ جو علم اور عمل اور حال اور بصیرت اور نماز کی ایک نہیں بلکہ ظاہری و باطنی دونوں حالتوں کا کامل وارث ہو۔

اسی طرح شرح مسلم میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو مذکورہ بالا تاویل کی رو سے بشری و نورانی صورت میں دیکھنا جائز ہے اور اس تجلی کو ہر صفت کے ساتھ اس نہج پر قیاس کیا جا سکتا ہے جیسی تجلی موسیٰ علیہ السلام پر عتاب کے درخت سے آگ کی صورت میں ہوئی اور کلام کی صفت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے (درخت میں سے) فرمایا: وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوْسٰى (طٰہٰ۔17) ترجمہ: اے موسیٰ یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟ اور وہ آگ نور تھا مگر اسے موسیٰ علیہ السلام کے گمان اور طلب کے مطابق آگ سے موسوم کیا گیا کیونکہ وہ اُس وقت آگ کی تلاش میں تھے اور انسان اس درخت کے مقابلے میں مرتبہ میں ہرگز کم نہیں اور نہ ہی یہ کوئی حیرت کی بات۔ تصفیہ کے بعد جب

صفاتِ حیوانیہ صفاتِ انسانیہ میں بدل جائیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی صفات میں سے کوئی صفت انسان کی حقیقت میں تجلی فرما دیتا ہے جیسے کثیر اولیاء اکرام پر تجلی فرمائی۔

ابو یزید بسطامیؒ نے (اس قسم کی) تجلی کے دوران فرمایا سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمَ شَانِیْ (ترجمہ: میں پاک ہوں اور میری شان بہت عظیم ہے) اور حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا ''میرے جبے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں''۔ اس جیسے اور بہت سے اقوال ہیں اور اس مقام میں اہلِ تصوف کے لیے عجیب لطائف ہیں جن کی شرح بہت طویل ہے۔ پس تربیت کے لیے مناسبت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ مبتدی کو ابتدائے حال میں اللہ تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں اور نہ ہی اس کے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان کوئی مناسبت ہے۔ پس ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے ولی اس کی تربیت کرے کیونکہ بشریت کی رو سے دونوں کے درمیان مناسبت ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی زندگی میں (صحابہ کرامؓ کی تربیت فرماتے رہے) تھے۔ پس جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا میں (بشری لحاظ سے) موجود تھے تو کسی دوسرے کی (تربیت کی) ضرورت نہ تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخرت میں منتقل ہونے کے بعد وہ (ظاہری مناسبت اور) تعلق منقطع ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (دنیا کو ترک کر کے) تجرد اختیار فرمایا۔ اسی طرح اولیاء کرام جب آخرت سے تعلق جوڑ لیتے ہیں تو ان میں سے کوئی بھی کسی کو مقصود تک پہنچانے کے لیے تلقین وارشاد نہیں کرتا۔ پس اگر تُو اہلِ فہم میں سے ہے تو سمجھ جا۔ اگر سمجھ نہیں تو ریاضتِ نورانیہ سے وہ فہم حاصل کر جو ظلمانی نفسانیت پر غالب ہو کیونکہ فہم نورانیت سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ ظلمت سے، اور جب کسی مقام پر نور آجاتا ہے تو وہ مقام مزین ومشرف ہو جاتا ہے۔ پس مبتدی میں اس کے لیے مناسبت نہیں رہتی۔ اور جو ولی (دنیا میں) حیات ہوتا ہے تو اس (مبتدی) کو ولی کے ساتھ (بشری) مناسبت ہوتی ہے کیونکہ وراثتِ کاملہ کی رو سے اُس (ولی) کو ایک تعلقیت اور دوسری تجریدیت کی جہت حاصل ہوتی ہے۔ جس ولی کو ظاہری حیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عبودیتِ نبوت کی ولایت سے مدد حاصل ہوتی ہے وہ اس

(ولایت) سے مخلوق میں تصرف کر سکتا ہے۔ پس جان لو کہ اس (مقام) سے آگے بہت گہرا راز ہے جس کا ادراک اس کے اہل ہی کر سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون۔8)

ترجمہ: اور عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہی ہے۔

اور جو ارواح کی تربیت ہے اس کے لیے روحِ جسمانی کی تربیت جسم کے اندر ہوتی ہے اور روحِ روانی کی جنگ قلب میں، روحِ سلطانی کی جنگ فواد میں اور روحِ قدسی کی جنگ سرّ میں ہوتی ہے جو کہ اس کے اور حق کے درمیان واسطہ ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کے لیے ترجمان ہے کیونکہ اہلِ اللہ ہی اس کے محرم ہیں۔ (سرالاسرار فصل 22) [1]

سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ الرسالۃ الغوثیہ (جس میں آپؓ کی اللہ تعالیٰ سے الہامی گفتگو درج ہے) میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا:

''اے غوث الاعظمؓ جس نے مجھے دیکھا وہ ہر حال میں سوال کرنے سے بے نیاز ہو گیا اور جو مجھے نہیں دیکھتا اسے سوال کرنے سے کوئی فائدہ نہیں کہ وہ محجوب بالمقال ہے۔''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں:

''میں نے ربّ تعالیٰ کو دیکھا۔

پھر (اللہ تعالیٰ نے) مجھے فرمایا:-

اے غوث الاعظمؓ! جو کوئی علم کے بعد میری رویئت کے متعلق پوچھے تو وہ محجوب ہے اور جس نے بغیر علم کے رویئت کے متعلق گمان کیا وہ رویئتِ ربّ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ میں ہے۔

پھر فرمایا:

اے غوث الاعظمؓ! جو میرے لئے مجاہدہ اختیار کرے اُسے میرا مشاہدہ (دیدار) ہو جاتا ہے وہ اس کو پسند کرے یا نہ کرے۔

غوث الاعظمؓ نے فرمایا!

---

[1] مترجم: احسن علی سروری قادری

میں نے ربّ تعالیٰ کو دیکھا تو معراج کے متعلق پوچھا۔

مجھے فرمایا

اے غوث الاعظمؓ!

معراج میرے سوا ہر چیز سے بلند وارفع ہو جانا ہے۔ اور معراج کا کمال ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی (نہ آنکھ جھپکی اور نہ حد سے بڑھی)

اے غوث الاعظمؓ!

اس کی نماز ہی نہیں ہوتی جسکی میرے نزدیک معراج نہ ہو اور وہ نماز سے محروم ہے۔

پھر فرمایا!

اے غوث الاعظمؓ! انبیاء و مرسلین کے علاوہ میرے بعض ایسے بندے ہیں کہ ان کے احوال سے کوئی واقف نہیں خواہ اہلِ دنیا ہو یا اہلِ آخرت، اہلِ جنت ہو یا اہلِ دوزخ، مالک ہو یا رضوان اور انہیں نہ تو جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور نہ دوزخ کے لئے' نہ ثواب کے لئے اور نہ عذاب کے لئے اور نہ ہی حور و قصور اور غلمان کے لئے پیدا کیا ہے پس ان کے لئے خوشی ہے جو ان پر ایمان لائیں اگرچہ وہ انہیں نہ پہچانیں۔ اے غوث الاعظمؓ تم انہی میں سے ہو۔ دنیا میں ان کی علامات یہ ہیں کہ ان کے جسم کم کھانے اور کم پینے کی وجہ سے جلے ہوئے ہیں اور ان کے نفس شہوات سے جلے ہوئے ہیں اور ان کے دِل خطرات سے جلے ہوئے ہیں ان کی ارواح لحظات سے جلی ہوئی ہیں وہ اصحابِ بقا ہیں جو کہ میرے دیدار کے نور سے جلے ہوئے ہیں۔'' (رسالۃ الغوثیہ)

❁ سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے اللہ تعالیٰ کے محبوب کو دیکھ لیا پس اس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دِل سے دیکھ لیا وہ اپنے باطن سے اسکی حضوری میں داخل ہو گیا اور ہمارا پروردگار موجود ہے اور وہ دیکھا جا سکتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔ یعنی عنقریب تم اپنے ربّ کو اس طرح دیکھو گے جیسا کہ تم سورج اور چاند کو

دیکھتے ہو۔'' (مجلس 33 الفتح الربانی)

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک معرفت دوسری معرفت سے بڑھ کر ایک درجہ ہے اسے روئیت اور مشاہدہ کہتے ہیں اور کمالِ انکشاف میں اس کی نسبت معرفت کے ساتھ ایسی ہے جیسے دیدار کی نسبت خیال کے ساتھ اور جس طرح پلک بند کرنا آنکھ کے واسطے پردہ ہے لیکن خیال کو نہیں منع کرتا اور جب تک یہ حجاب نہ اٹھے یعنی آنکھ نہ کھلے دیدار حاصل نہیں ہوتا اسی طرح بدن کے ساتھ، جو آب و گل سے بنا ہے، آدمی کا تعلق اور دنیا کی خواہشوں کے ساتھ اس کا مشغول رہنا مشاہدہ کے واسطے حجاب ہے لیکن معرفت کو منع نہیں کرتا۔ جب تک یہ تعلق نہیں ٹوٹتا مشاہدہ غیر ممکن ہے اسی واسطے حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا لن ترانی۔ (کیمیائے سعادت)

صوفیا کرامؒ فرماتے ہیں کہ تمام پیغمبروں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُمتی بنا دے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس امت کے لئے دیدارِ حق تعالیٰ کھول دیا گیا اور ان کے دِلوں میں اسکا اشتیاق بدرجہ دوسری اُمتوں کے زیادہ پیدا کیا گیا۔

دیدارِ الٰہی میں حائل رکاوٹ

دیدارِ الٰہی کے درمیان حائل رکاوٹ اور اس رکاوٹ کو دور کرنے کے بارے میں سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جان لے دیدارِ الٰہی اور اہلِ دیدار کے درمیان کوئی پتھر پہاڑ یا دیوار حائل نہیں ہو سکتی بلکہ دیو نفس حائل ہوتا ہے جو پتھر اور دیوار سے بھی سخت تر حجاب ہے اور جس کا مارنا بے حد مشکل و دشوار ہوتا ہے۔ مرشدِ کامل سب سے پہلے اسی دیو خبیث، مصاحبِ ابلیس نفس کو تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات کی تلوار سے قتل کرواتا ہے اور جب تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات کی تلوار سے یہ دیو نفس مر جاتا ہے تو بندے اور ربّ کے درمیان سے بیگانگی کا پردہ ہٹ جاتا ہے اور بندہ ہر وقت بلاحجاب دیدارِ پروردِگار کرتا رہتا

ہے ۔ جو مرشد تصور اسمِ اَللّٰہُ ذات طالب کو عطا نہیں کرتا وہ مرشد لائقِ ارشاد مرشد نہیں ہے۔ (نور الہدیٰ)

سلطان باھُوؒ اور دیدارِ الٰہی

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتب میں دیدارِ الٰہی کے علم کو کھول کر بیان فرمایا ہے۔ آپؒ نے اپنے آپ کو عالمِ دیدارِ الٰہی فرمایا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

طالبِ دیدار با دیدار بر
جز خدا دیگر نہ بیند بانظر
ہر طرف بینم بیانم حق زحق
با مطالعہ دائمی دِل دم غرق

ترجمہ: طالبِ دیدار کو چونکہ صرف دیدارِ الٰہی سے غرض ہوتی ہے اس لیے وہ اللہ کے سوا کسی چیز کو دیکھتا ہی نہیں۔ وہ ہر لمحہ مطالعہ دِل میں غرق رہتے ہوئے جدھر دیکھتا ہے اسے اللہ ہی نظر آتا ہے۔

❁ کلیدِ توحید کلاں میں حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کشتگانِ دیدار دائم باوصال
باجمال و باوصال و لازوال

ترجمہ: دیدارِ الٰہی کے شہیدوں کو ہر وقت وصالِ الٰہی حاصل رہتا ہے اور وہ ہر وقت مشاہدۂ جمال میں غرق رہتے ہیں۔ (کلیدالتوحید کلاں)

بہ ز ہر لذّت بود لذّتِ لِقا
لذّتِ دُنیا چہ باشد بے بقا

ترجمہ: تمام لذّات سے بہتر لذّت ''لذّتِ دیدار'' ہے، اُس کے مقابلے میں لذّتِ دنیا کی کیا وقعت کہ وہ بے بقا ہے۔ (نور الہدیٰ)

❁ واضح رہے کہ ''عارف باللہ'' ''صاحبِ کُل'' کو لذت بھی ''ذاتِ کُل'' (دیدارِ الٰہی) سے ہے۔ چار لذّتیں ایسی ہیں جو ''لذّتِ کُل'' سے باز رکھتی ہیں۔ اوّل طرح طرح کے لذیذ چرب اور شیریں کھانوں کی لذّت۔ دوسری عورت سے مجامعت کرنے کی لذّت۔ تیسری حکومتِ شاہانہ (شہرت۔ حکمرانی کا کوئی بھی عہدہ) کی لذّت جو سر سے پاؤں تک محض دنیا ہے۔ چوتھی مطالعہ کی لذت۔ یہ چاروں لذّتیں برابر ہیں۔ جس کے وجود میں معرفتِ الٰہی کی لذّت ہوتی ہے اس سے چاروں لذّتیں نکل جاتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ معرفتِ الٰہی (دیدار) کی لذّت ایسی لذّت ہے جس سے روح کو فرحت حاصل ہوتی ہے اور نفس مُردہ ہو جاتا ہے۔ (اسرارِ قادری)

آپ رحمتہ اللہ علیہ نور الہدیٰ کلاں میں فرماتے ہیں:

❁ عارفوں کا یہ ابتدائی مرتبہ ہے کہ لقائے الٰہی سے مشرف ہو جاتے ہیں۔ لقائے الٰہی کے یہ مراتب میں نے اسمِ اَللّٰہُ ذات سے پائے ہیں اس لئے اسمِ اَللّٰہُ ذات کو میں نے اپنا پیشوا بنا رکھا ہے۔ جو شخص اپنے جسم کو اسمِ اَللّٰہُ ذات میں گم کر دیتا ہے وہ بہت جلد معرفتِ دیدارِ الٰہی کو پا لیتا ہے۔ دیدارِ الٰہی کیونکر روا ہو سکتا ہے؟ لیکن میں دیدار کرتا ہوں کہ مجھے مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دیدار کرواتے ہیں۔

❁ جو عارف ہر وقت دیدارِ الٰہی میں غرق رہتا ہے اُسے مطالعہ علمِ پیغام و اعلام و الہام و آواز کی کیا حاجت ہے۔

❁ صاحبِ نظر دیدار کرتے ہیں لیکن جھوٹے اور مکار لوگوں کو کچھ نظر نہیں آتا۔

❁ اگر تیرے پاس چشمِ بینا ہے تو دیدارِ الٰہی میں محو رہ کہ ایسے میں ذکر تو ذکر، فکر کے بغیر بھی ذاکر گردانا جائے گا۔

❁ اے صاحبِ نظر! اگر تجھے چشمِ بینا حاصل ہے تو دیدارِ رحمت میں غرق ہو جا۔

❁ اے طالب بحث و تکرار کو چھوڑ اور دیدارِ الٰہی کا کامل مرتبہ حاصل کر۔

❁ اگر تیری طلب دیدارِ خداوندی ہے تو اے طالب نفس کو چھوڑ دے اور ادھر آ جا۔

۞ جس کسی کے پیشوا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہو جائیں اور وہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں منظور ہو جائے تو وہ لقائے الٰہی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ جو شخص دیدارِ الٰہی سے مشرف ہو جاتا ہے وہ اس کا چرچا نہیں کرتا وہ اپنی ہستی کو مٹا کر بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر رہتا ہے۔

۞ آنکھ کو دیدار سے ہی یقین نصیب ہوتا ہے جو اس بات کو نہ مانے پکا لعین ہے۔

۞ مادر زاد اندھے کے نصیب میں لقائے الٰہی کہاں؟ کہ وہ تو لقائے الٰہی کا قائل ہی نہیں ہوتا اللہ بس ماسویٰ اللہ ہوس۔

۞ جس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کے کرم سے نور ہو گئیں وہ دیدارِ الٰہی سے مشرف ہو گیا ایسے صاحبِ دیدار کو کوئی غم نہیں۔

۞ جو کوئی دیدارِ الٰہی سے مشرف ہو جاتا ہے وہ خود نمائی کی باتیں نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیتا ہے وہ کہے تو کیونکر کہے کہ وہ تو ہر دم دیدارِ الٰہی میں محو رہتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیتا ہے وہ غرق فی التوحید ہو جاتا ہے اور ہر دم خاموش رہ کر خونِ جگر پیتا رہتا ہے۔

اقبالؒ اور دیدارِ الٰہی

دوسرے عارفین کی طرح علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ بھی دیدارِ الٰہی کے قائل ہیں اور اُن کے کلام میں جگہ جگہ دیدارِ الٰہی کے متعلق اشارات ملتے ہیں۔ آپ ایک طالب کی طرح دیدار کی التجا کرتے نظر آتے ہیں:

کبھی اے حقیقتِ منتظَر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

حقیقتِ منتظَر۔ حقیقت (اللہ تعالیٰ) جس کا انتظار ہے۔
لباسِ مجاز۔ وجود کا لباس جسے دیکھا جا سکے۔

جبینِ نیاز۔ نیاز مندی اور عاجزی سے جھکنے والی پیشانی۔

پھر آپ رحمتہ اللہ علیہ دیدار کے لیے بارگاہِ حق تعالیٰ میں فریاد کناں نظر آتے ہیں:

آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے
زندہ کر دے دِل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ' کیا چاہتا ہوں
ستم ہو کہ ہو وعدۂ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں
یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں

اللہ تعالیٰ کے دیدار ہی سے تو اصل زندگی (حیاتِ جاودانی) حاصل ہوتی ہے۔

بر مقامِ خود رسیدن زندگی است
ذات را بے پردہ دیدن زندگی است

ترجمہ: (فقر کے انتہائی) مقام پر پہنچنا ہی حقیقی زندگی ہے اور ذاتِ حق کو بے پردہ دیکھنا ہی صحیح زندگی ہے۔

دیدنش افزودنِ بے کاستن
دیدنش از قبرِ تن برخواستن

ترجمہ: اس کے دیدار سے وہ افزودنی ملتی ہے' جس میں کمی کا احتمال ہی نہیں ہے۔ اللہ کے دیدار

آنکھ کو بیدار کر دے۔ روح کی آنکھوں کو روشن کر دے۔ نورِ بصیرت عطا کر دے جس سے دیدارِ الٰہی ہوتا ہے۔

سوزِ جوہرِ گفتار۔ پُراثر گفتگو کی تپش۔

بے حجابی۔ بغیر پردے کے صاف دکھائی دینا۔

صبر آزما۔ برداشت اور حوصلے کو آزمانے والی۔

زاہد۔ زیادہ عبادت کرنے والا۔

سے بندہ تن کی قبر سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھتا ہے۔

❁ اس دنیا کی زندگی کے بارے میں آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

زندگی اینجا ز دیدار است و بس
ذوقِ دیدار است و گفتار است و بس

ترجمہ: یہاں کی زندگی صرف دیدارِ الٰہی سے ہے۔ اصل زندگی ذوقِ دیدار ہے اور ذوقِ گفتار (اللہ سے ہم کلامی) ہے۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر دیدارِ الٰہی ممکن نہ ہوتا تو ''حدیثِ جبرائیل'' میں یہ نہ کہا جاتا کہ تم عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اور باطن میں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوت ایسی ہونی چاہیے:

چناں باذاتِ حق خلوت گزینی
ترا او بیند و او را تو بینی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے اس طرح خلوت حاصل کر کہ وہ تجھے دیکھے اور تو اس کو دیکھے۔

دیدارِ الٰہی کے لیے اقبال رحمتہ اللہ علیہ ایک شرط بیان فرما رہے ہیں کہ علم و عقل کی حد سے گزر کر کسی صاحبِ نظر کی بارگاہ کے عاشق بنو گے تو دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا۔

❁ عِلم کی حد سے پرے، بندۂ مومن کے لیے
لذّتِ شوق بھی ہے، نعمتِ دیدار بھی ہے

حد سے پرے۔ حد سے آگے۔ علم کی انتہا سے گزر جانے کے بعد۔

لذّتِ شوق۔ عشق اور جنون کی لذت۔

نعمتِ دیدار۔ اللہ کے بے حجاب دیدار کی نعمت جس سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔

یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے فرزندِ آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عُریانی

ہوئی جو چشمِ مظاہر پرست وا آخر
تو پایا خانۂ دل میں اُسے مکیں میں نے

حقیقت اپنی آنکھوں پر نمایاں جب ہوئی اپنی
مکاں نکلا ہمارے خانۂ دل کے مکینوں میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدارِ الٰہی کی التجا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لن ترانی'' تو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ یہ سارے اسرار ہم نے اپنے محبوب ﷺ کے لیے اور انہی کی امت کے لیے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں:

دعوتِ دیدار۔ یہ دنیا تخلیق ہی اس لیے ہوئی کہ اللہ اپنے جلووں کا اظہار چاہتا تھا اس لیے یہ دنیا انسان کو ہر شے میں اللہ کا جلوہ دیکھنے کی دعوت دیتی ہے۔

مستور۔ چھپا ہوا۔ باپردہ

ذوقِ عریانی۔ ظاہر ہونے کا شوق۔ اپنا حسن سب کو دکھانے کی چاہت۔

چشم۔ آنکھ۔

مظاہر پرست۔ دنیا کی ظاہری خوبصورتی کو پسند کرنے والی۔

وا آخر۔ آخر کار کھل گئی۔ یہاں حقیقی باطنی آنکھ کا کھلنا مراد ہے جو پہلے بند تھی تو ظاہری جسم کی آنکھیں دنیا کی صرف ظاہری خوبصورتی کے جلووں میں مست تھیں۔ مرشد کی مہربانی اور ذکر و تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات سے باطنی آنکھیں کھلنے پر نورِ بصیرت کی روشنی میں حسنِ حقیقی کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔

اسے۔ مراد اللہ تعالیٰ۔

مکیں۔ رہنے والا۔ قلبِ مومن اللہ کا گھر ہے۔

اپنی آنکھوں پر نمایاں ہوئی۔ خود پر ظاہر ہوئی یعنی جب ہم نے خود اپنی آنکھوں سے اپنی ہی ذات کے اندر اللہ کا دیدار کیا تو حقیقت ہم پہ کھلی کہ ہمارا دل ہی اللہ کا گھر ہے اور وہی ہماری حقیقت ہے۔

اُڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیمؑ
طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اوران کی امت کو نہ صرف دیدار کی نعمت عطا فرمائی بلکہ نظارہ بھی کرایا اوراپنے پوشیدہ اسرار بھی کھولے۔

کُھلے جاتے ہیں اَسرارِ نہانی
گیا دَورِ حدیثِ ''لن ترانی''

جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''لن ترانی'' کا حکم سنایا تھا اُس کا جلوہ تو آج عام ہے اوروہ اپنے طالبوں کی محفل لگا کر بیٹھا ہوا ہے۔ تو اُسے تلاش کر' اگر نیت میں اخلاص ہے تو مل جائے گا۔

چھپایا حُسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے
وہی ناز آفریں ہے جلوہ پیرا نازنینوں میں

دیدارِ الٰہی کے متعلق اقبالؒ کی شاعری سے انتخاب درج کیا جارہا ہے۔

طور۔ وہ پہاڑ جس پر حضرت موسیٰؑ اللہ سے ہم کلام ہونے جاتے تھے، یہیں انہوں نے اللہ سے اس کے دیدار کی التجا کی تھی۔

طاقت ۔ برداشت کی قوت۔ اللہ کی تجلیات برداشت کرنے کے لیے بہت حوصلے کی ضرورت ہے۔

دید۔ دیدار

اسرارِنہانی۔ اللہ کی ذات کے پوشیدہ راز۔

حدیث۔ بات

لن ترانی ۔ تو ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ حضرت موسیٰؑ کے دیدارِ الٰہی کے تقاضے کے جواب میں اللہ نے فرمایا ''لن ترانی''۔

کلیم اللہ۔ حضرت موسیٰؑ

جس نے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ۔

ناز آفریں۔ نازواداوالا۔

جلوہ پیرا۔ اپنے جلوے ظاہر کیے ہوئے۔

نازنینوں میں۔ اپنے دیدار کے مشتاقوں اور معشوقوں میں۔

آنکھ وقفِ دید تھی، لب مائلِ گفتار تھا
دل نہ تھا میرا، سراپا ذوقِ استفسار تھا

حسنِ کامل ہی نہ ہو اس بے حجابی کا سبب
وہ جو تھا پردوں میں پنہاں، خود نما کیوں کر ہوا

آپ رحمتہ اللہ علیہ مستقبل کی نوید دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اہلِ طلب کے لیے فکر اور مایوسی کی بات نہیں ہے، طالب انتظار کریں اور جنون سے تلاش کریں کہ دیدارِ عام کا زمانہ بھی آنے والا ہے۔

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہوگا
گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے

وقفِ دید۔ دیدار میں محو اور مگن۔

مائل گفتار۔ گفتگو کرنے کا خواہشمند۔

سراپا۔ مکمل وجود۔ سر سے پاؤں تک۔

ذوق۔ شوق۔

استفسار۔ جستجو کی لگن، سوال وجواب کرنے کا آرزومند، یعنی ملاقات کے وقت میرا دل اپنے شوق کی حالت بیان کرنا چاہتا تھا اور اللہ کے پوشیدہ بھید جاننا چاہتا تھا۔

حسن کامل۔ مکمل، بے عیب پاک حسن۔

بے حجابی۔ خود کو ظاہر کرنا، اپنے حسن کو بے پردہ دکھا دینا۔

پنہاں۔ چھپا ہوا۔

خود نما۔ خود کو ظاہر کرنے والا، یعنی اللہ کے بے عیب کامل حسن نے ہی اسے اپنے عاشقوں پر بے حجابانہ ظاہر ہونے پر مائل کیا۔

دیدارِ یار۔ دیدارِ الٰہی۔

سکوت۔ خاموشی۔

پردہ دار۔ پردہ میں چھپا ہوا۔

آشکار۔ ظاہر، یعنی اللہ کا دیدار جس کے بارے میں گفتگو تو درکنار خاموشی بھی راز میں رکھی جاتی تھی اب وہ جلوہ عام ہوگا۔

چھپ کے پینا۔ اللہ کے دیدار کی شراب پینے والے اسے راز رکھتے تھے۔

بنے گا سارا جہان مے خانہ' ہر کوئی بادہ خوار ہوگا
کبھی جو آوارۂ جنوں تھے' وہ بستیوں میں پھر آبسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی' مگر نیا خار زار ہوگا

عاشق کا دل مدرسوں اور مسجدوں میں سکون نہیں پاتا۔

آسودہ نمی گردد آں دل کہ گسست از دوست
با قرائتِ مسجد ہا با دانشِ مکتب ہا

ترجمہ: جو دل محبوب سے جدا ہوگیا' وہ مسجدوں میں قرآن خوانی اور مدرسوں کی تعلیم و دانش سے سکون نہیں پاتا۔ عاشق کی تسکین کا سامان صرف محبوب کے وصل و دیدار ہی سے ممکن ہے' وعظ و نصیحت اور علم و حکمت سے نہیں۔

کمالِ زندگی دیدارِ ذات است
طریقش رستن از بندِ جہات است

ترجمہ: زندگی کا حاصل ذاتِ حق کا دیدار ہے اور اس دیدار کا طریقہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہونا ہے۔

کسے کو "دید" عالم را امام است
من و تو ناتمامیم او تمام است

ترجمہ: جس کسی نے اس محبوب کے جلوہ کا مشاہدہ کرلیا وہ جہان کا امام ہوگیا۔ میں اور تو یعنی باقی

بادہ خوار۔ شراب پینے والا۔ مراد دیدارِ حق کی شراب پینے والا۔ عاشق۔

آوارۂ جنوں۔ عشقِ حقیقی میں مست جنگلوں اور ویرانوں میں گھومنے والے۔

برہنہ پائی۔ ننگے پاؤں سفر کرنا یعنی دیدارِ الٰہی پانے کے لیے مجاہدہ کرنا۔

خار زار۔ کانٹوں بھری جگہ۔ میدانِ عمل۔ پہلے زمانوں میں دیدارِ الٰہی کے طالب دنیا ترک کر کے جنگلوں اور غاروں میں مجاہدات اور ریاضت میں مشغول رہتے تھے لیکن اس زمانے میں فقر کے دستور بدل چکے ہیں۔ اب جنگلوں کی بجائے اسی دنیا میں رہ کر دنیا کے تمام کام سرانجام دیتے ہوئے باطنی مجاہدات کے ذریعے راہِ حق کا سفر طے کیا جاتا ہے۔

سب نامکمل یا ناقص ہیں اور صرف وہی کامل ہے (یعنی انسانِ کامل)۔

گرچہ جنت از تجلی ہائے اوست
جاں نیاساید بجز دیدارِ دوست

ترجمہ: اگرچہ جنت اللہ تعالیٰ کی تجلیوں میں سے ہے لیکن جان اس محبوب کے دیدار کے بغیر سکون ہی نہیں پاتی یعنی عاشقوں کو سکون جنت میں نہیں دیدار سے ملتا ہے۔

عشق جاں را لذتِ دیدار داد
با زبانم جرأتِ گفتار داد

ترجمہ: عشق نے روح کو دیدار کی لذت عطا کی اور میری زبان کو بات کرنے کی جرأت بھی عطا کی۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

خوشاہ وہ وقت جب دیدار عام تھا اُن کا
خوشاہ وہ وقت جب یثرب مقام تھا اُن کا

اُسی زمانہ کو دوبارہ پکار رہے ہیں

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

خوشاہ۔ بہت خوش نصیب، خوشی سے بھرپور

وہی بادہ و جام۔ وہی شراب وہی پیالہ۔ دیدارِ حق تعالیٰ کی وہی حالت جو ظاہری حیاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں میسّر تھی۔

ساقی۔ مراد مرشد کامل اکمل جو دیدارِ الٰہی کی شراب پلاتا ہے۔

میرا مقام۔ انسان کا حقیقی مقام عالمِ لاھوت لامکان۔ جہاں اس کی روح کی تخلیق نورِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہوئی اور جہاں واپس لوٹ کر ہی انسان اپنی حقیقت اور دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوتا ہے۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

عقل سے دیدارِ الٰہی نہیں ہوسکتا۔ دیدار عشق سے ہوتا ہے۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

باطن میں دیدارِ حق تعالیٰ (دیدارِ الٰہی) سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ یہ تصور اسمِ اَللّٰہُ ذات اور مرشدِ کامل اکمل کی راہبری سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن فقر میں یہ بھی کامل مرتبہ نہیں ہے اس میں بھی دوئی پائی جاتی ہے۔ فقر کی انتہا تو یہ ہے کہ انسان ذاتِ حق میں فنا ہو کر بقا حاصل کر لے تب ہی انسان' انسانِ کامل یا اقبال کا مردِ مومن بنتا ہے۔

تین سو سال۔ اولیاء اللہ نے اقبالؒ کے دور سے تین سو سال قبل خود کو دنیا سے چھپا لیا تھا کیونکہ مغلیہ سلطنت کے آخری سالوں اور انگریزوں کے دورِ حکومت میں مادہ پرستی اور ظاہر پرستی عروج کو پہنچ چکی تھی۔ علمائے کرام بھی دین کے صرف ظاہر پر زور دے رہے تھے۔ کامل اولیاء کا مقام اور عظمت دیکھ کر ناقص اور جعلی مرشد بھی میدان میں آچکے تھے۔ لوگ اپنی مادہ پرستی کی وجہ سے ان کی طرف مائل بھی تھے کیونکہ یہ اپنے تعویذ گنڈوں کے ذریعے لوگوں کی مادی پریشانیاں دور کر دیتے تھے۔ دیدار اور قربِ الٰہی کے طالب بہت کم رہ چکے تھے اس لیے دیدارِ الٰہی کا علم رکھنے والوں نے خود کو دنیا سے علیحدہ کر لیا۔

ہند کے میخانے۔ مراد اولیاء اللہ کی بارگاہیں جہاں دیدار اور معرفتِ الٰہی کی شراب میسر تھی۔

اب مناسب ہے۔ اقبالؒ اللہ سے طلب کر رہے ہیں کہ دیدارِ الٰہی کا فیض پھر سے عام ہو۔

آستاں۔ دہلیز۔ چوکھٹ مراد بارگاہِ الٰہی۔

حضور۔ حاضری۔ یعنی عقل راستے کا چراغ بن کر بارگاہِ الٰہی تک رہنمائی تو کر دیتی ہے لیکن بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے لیے عقل کی حد سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ اللہ کی معرفت اور دیدار عقل سے نہیں عشق سے ملتا ہے۔

اقبالؒ کا مردِ مومن
انسانِ کامل

دیدارِ حق تعالیٰ کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ لیکن فقر میں دیدارِ حق تعالیٰ بھی کامل مرتبہ نہیں ہے کیونکہ اس میں بھی دوئی پائی جاتی ہے۔ راہِ فقر میں اپنی ہستی اور خودی کو ختم کر کے اللہ پاک کی ذات میں فنا ہو جانا عارفین کا سب سے اعلیٰ اور آخری مقام ہے۔ جہاں پروہ دوئی کی منزل سے بھی گزر جاتے ہیں۔ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا'' (مرنے سے پہلے مر جاؤ) میں اسی مقام کی طرف اشارہ ہے، اس مقام پر فقر مکمل ہو جاتا ہے۔ فقر کے اس انتہائی مرتبہ کو مقامِ فنا فی ھُو، وحدت، فقر فنا فی اللہ بقاباللہ یا وصالِ الٰہی کہتے ہیں اور یہ مقامِ توحید بھی ہے۔ یہاں پہنچ کر انسان ''سراپا توحید'' ہو جاتا ہے۔ انسانی عروج کا یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ عام اصطلاح میں اس مقام تک پہنچنے والے انسان کو ''انسانِ کامل'' یا ''فقیرِ کامل'' کہا جاتا ہے۔ لیکن فقراء اور عارفین نے اپنی تصنیفات میں اس مقام کو مختلف ناموں سے موسوم کیا ہے۔

❁ فقر کا سفر جو طالبِ مولیٰ سے شروع ہوا اس کی تکمیل اس مقام پر آ کر ہوتی ہے۔ اسی

مقام کے بارے میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:

اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہ

ترجمہ: جہاں فقر کی تکمیل ہوتی ہے وہیں اللہ ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب طالب فقر کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے تو جملہ صفاتِ الٰہی سے متصف ہو کر انسانِ کامل کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے۔ وجودِ کائنات کے تمام مراتب میں سب سے اکمل ''انسان'' ہے اور جملہ افرادِ انسانی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے اکمل وارفع ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مظہرِ اُتّم ہیں، آپ ہی انسانِ کامل ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی حق تعالیٰ کے خلیفۂ برحق ہیں۔ آپ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نائبین کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلہ سے یہ مرتبہ حاصل ہوا۔ ایک شخص ہر وقت دنیا میں قدمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہوتا ہے جو انسانِ کامل' امانتِ الٰہیہ' خلافتِ الٰہیہ کا حامل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا باطنی نائب ہوتا ہے اور کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ اس ''انسانِ کامل'' کے ذریعہ چلاتا ہے۔ حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اسے ہی مرشد کامل اکمل فرماتے ہیں۔

✿ جس شخص پر فقر کی تکمیل ہوتی ہے تو اس مرتبہ پر صاحبِ فقر کی اپنی ہستی ختم ہو جاتی ہے یہ وہ مقام ہے جہاں میں اور تو کا فرق مٹ جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے یکتائی کے اس مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے جہاں دوئی نہیں ہوتی اس لئے اس کا بولنا اللہ کا بولنا ہوتا ہے اس کا دیکھنا اللہ کا دیکھنا اور اس کا سننا اللہ کا سننا اس کا چلنا اللہ کا چلنا اور اس کا پکڑنا اللہ کا پکڑنا ہوتا ہے۔

اس مقام کی طرف علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا' بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کار کُشا' کار ساز

غالب۔ غلبہ پانے والا، قابو پانے والا۔

کار آفریں۔ بھلائی اور فلاح کے کام کرنے والا۔

کارساز۔ مشکلات کے حل نکالنے والا۔

خاکی و نوری نہاد ' بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی ' اس کا دل بے نیاز

سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں:

❁ اے بندے جب تو مقامِ فنا میں پہنچے گا تو تجھ پر تکوین (امرِ کن کا اِذن) وارد کی جائے گی یعنی فنائیت کے بعد موجود کرنا اور کائنات پیدا کرنا تیرے سپرد کیا جائے گا اور عالم میں تصرف کرنے کی طاقت تجھے عطا کی جائے گی جس کی بدولت تو جہان میں تصرف کرے گا۔ (فتوح الغیب)

❁ ''فقیر (انسانِ کامل) وہ نہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو بلکہ فقیر وہ ہے جو ''کن'' کہے اور ''فیکون'' ہو جائے۔ (الرسالۃ الغوثیہ)

انسانِ کامل کے بارے میں سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نورِ مبارک سے جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نورِ مبارک ظاہر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے تمام مخلوق کا ظہور ہوا اس لئے انسان کی اصل نور ہے اور عمل کے مطابق جب نفس' قلب اور روح تینوں نور بن جاتے ہیں اس کو انسانِ کامل کہتے ہیں۔'' (عقلِ بیدار)

❁ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انسانِ کامل ہیں اور باقی لوگ حسبِ مراتب تقریب رکھتے ہیں۔ (قربِ دیدار)

خاکی۔اس کا بشری وجود مٹی سے بنا ہے۔

نوری نہاد۔لیکن اس کی حقیقت اور بنیاد نور ہے۔

بندۂ مولا صفات۔ اللہ کی تمام صفات سے متصف انسان۔

غنی۔بے نیاز۔مطمئن۔

بے نیاز۔ بے پرواہ، دنیا جہان کے خزانے اس کے قدموں تلے ہیں پھر بھی وہ اللہ کے سوا ہر شے سے بے نیاز ہے۔

❁ ''انسانِ کامل کا وجود طلسماتِ اسم و مسمّٰی کا گنج معمہ ہے۔(نور الہدیٰ کلاں)

یہاں آپؒ نے انسانِ کامل کے وجود کو طلسمات فرمایا ہے کیونکہ وہ مظہر عجائب الغرائب ہے۔ انسانِ کامل ''اسم'' (اَللّٰہُ) اور ''مسمّٰی'' (ذاتِ الٰہی) کو پا لینے کا راز جانتا ہے۔ یہ ایک خزانہ (گنج) ہے اور جس طرح کسی خزانہ تک معمہ حل کر کے پہنچا جا سکتا ہے اسی طرح انسانِ کامل کو بھی پہچاننا ایک معمہ ہے اور جو اس معمہ کو حل کر لیتا ہے وہی انسانِ کامل کی حقیقت تک پہنچتا ہے۔ یعنی انسانِ کامل کی حقیقت کی پہچان ادراکِ قلبی سے ہوتی ہے اور اس کے لئے تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات ہی ایک ذریعہ ہے، اسمِ اَللّٰہُ ذات کے تصور کے بغیر انسانِ کامل کی پہچان ناممکن ہے کیونکہ انسانِ کامل کی منزل تک بھی اسمِ ذات ہی پہنچاتا ہے بشرطیکہ یہ صاحبِ مسمّٰی (انسانِ کامل) سے حاصل ہوا ہو۔

جیسا کہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

ترجمہ: برسوں زندگی کبھی کعبہ میں کبھی بت خانہ میں روتی ہے۔ تب جا کر عشق کے پردے سے ایک دانائے راز (انسانِ کامل) باہر نکلتا ہے۔

مردِ میدان زندہ از اللہ ھُو است
زیرِ پائے او جہانِ چار سو است

ترجمہ: مردِ میداں (انسانِ کامل) اللّٰہ ھُو (اسمِ ذات) سے زندہ ہے اور یہ جہانِ چار سو اس کے قدموں کے نیچے ہے۔

سلسلہ سروری قادری میں جب طالب ھُو میں فنا ہو کر فنا فی ھُو ہو جاتا ہے اور اس کے ظاہر و باطن میں ھُو کے سوا کچھ نہیں رہتا تو یہ مرتبہ ہے ''ہمہ اوست در مغز و پوست[1]'' اور یہی ہے فقیر مالک الملکی (انسانِ کامل) اور یہی ہے مرشد کامل اکمل نور الہدیٰ۔

---

[1] جسم اور جان میں تمام تر وہی ذات ہے۔

ایسا انسان ہر وقت کائنات میں موجود ہوتا ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نائب ہوتا ہے یعنی حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مختلف زمانوں کے اندر اپنے نائب، خلیفہ اور جانشین کی صورت میں بدلتی رہتی ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

❁ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ٥ (یٰس 12)

ترجمہ: اور ہر امر کو جمع کر رکھا ہے ہم نے امامِ مبین میں۔

اس آیت میں امامِ مبین سے مراد ''انسانِ کامل'' ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر امر، حکم اور اپنی پیدا کردہ کل کائنات کو ایک لوحِ محفوظ جو کہ انسانِ کامل کا دِل ہے، میں محفوظ کر رکھا ہے۔ انسانِ کامل کا دِل وہ جگہ ہے جہاں انوارِ ذات نازل ہوتے ہیں اور اسکی وسعت کا بیان و اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

❁ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ٥ (الفرقان 59)

ترجمہ: ''وہ رحمٰن ہے سو پوچھ اس کے بارے میں اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہے''۔

انسانِ کامل اللہ تعالیٰ کا مظہر اور مکمل آئینہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے انوارِ ذات وصفات واسماء و افعال کا اپنے اندر انعکاس کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جمیع صفات سے متصف اور اس کے جملہ اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:

❁ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ تَعَالٰی

ترجمہ: ''مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے''

❁ لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ (حدیث قدسی)

ترجمہ: ''نہ میں زمین میں سماتا ہوں اور نہ آسمانوں میں لیکن بندۂ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں''۔

❁ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اپنی کتاب ''مرآۃ العارفین'' میں فرماتے ہیں: ''پورا

قرآنِ مجید اُم الکتاب (سورہ فاتحہ) میں ہے اور سورہ فاتحہ بسم اللہ میں اور اسمِ اَللّٰہُ ''انسانِ کامل'' کے دِل میں جلوہ گر ہے۔اس لئے انسانِ کامل تمام صفات و ذات کے لئے مجمل اور مفصل ہے۔''

علامہ ابنِ عربیؒ پہلے عارف ہیں جنہوں نے انسانِ کامل کی اصطلاح وضع کی۔انہوں نے فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم میں انسانِ کامل کے جو اوصاف تحریر کیے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔انسانِ کامل، اکمل موجودات ہے۔

۲۔واحد مخلوق ہے جو مشاہدے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتی ہے۔

۳۔صفاتِ الٰہیہ کا آئینہ ہے۔

۴۔مرتبہ حدِ امکان سے بالا اور مقامِ خَلق[1] سے بلند ہے۔

۵۔حادث ازلی[2] اور دائم ابدی[3] اور کلمہ فاصلہ جامعہ[4] ہے۔

۶۔اسے حق تعالیٰ سے وہی نسبت ہے جو آنکھ کو پُتلی سے ہے۔

۷۔عَالَم کے ساتھ اس کی نسبت انگشتری میں نگینے کی مانند ہے۔

۸۔رحمت کی جہت سے اعظمِ مخلوقات ہے۔

۹۔انسانِ کامل عالم کی روح ہے اور عالم اس کا قالب[5]۔

۱۰۔انسانِ کامل ربوبیت اور عبودیت کا جامع ہے۔اگر اللہ واحد ہے تو اس کا خلیفہ (انسانِ کامل) بھی (دنیا میں) واحد ہے۔

۱۱۔عالم میں ہر موجود حق تعالیٰ کے کسی نہ کسی اسم کا مظہر ہے اور وہی اسم اس کا ربّ ہے اور انسانِ

۱۔جہاں سے مخلوق کی تخلیق کی ابتدا ہوئی ہے۔ ۲۔حادث وہ اشیاء یا مخلوقات ہیں جو پہلے موجود نہ تھیں پھر انہیں تخلیق کیا گیا۔حادثِ ازلی سے مراد ہے کہ انسانِ کامل کی تخلیق ازل سے ہی ہو چکی تھی جب ابھی دیگر مخلوقات کی تخلیق نہیں ہوئی تھی یعنی وہ تخلیق میں اوّل ہے۔ ۳۔ہمیشہ قائم رہنے والا۔ ۴۔وہ کلمہ (ذات) جو مخلوق اور خالق کو آپس میں جوڑنے والا (جامعہ) بھی ہے اور ان میں امتیاز کرنے والا (فاصلہ) بھی ہے۔ ۵۔جسم

کامل حق تعالیٰ کے اسمِ جامع اسمِ اَللّٰہُ کا مظہر ہے جو سب اسماء الٰہی کا ربّ ہے، پس رب الارباب ہے پس رب العالمین ہے۔

۱۲۔حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے انسانِ کامل کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ دونوں ہاتھوں سے مراد دونوں صفات جلال اور جمال کی ہیں پس حضرت انسانِ کامل جو مدبرِ[1] عالم ہے، عالم کی روح ہے لہٰذا غائب ہے اگر چہ خلیفہ (کی حیثیت) سے خارج[2] میں موجود ہے لیکن سوائے خاص اولیاء کے اس کو کوئی نہیں پہچانتا لہٰذا غائب ہے۔ خلیفہ سے مراد قطب زماں ہے اور وہ اپنے وقت کا سلطان ہے (یہاں خلیفہ سے مراد اللہ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں)۔

۱۳۔ چونکہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں نہ رسول جو نئی شریعت لائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد ہر زمانہ میں ایک ایسا فردِ کامل ہوتا رہے گا جس میں حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظہور ہوگا اور وہ فنا فی الرسول کے مقام سے مشرف ہوگا، وہ فردِ کامل قطبِ زمان ہے اور ہر زمانہ میں ایک ولی اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ حضور سرورِ کونین نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جملہ موجودات میں سرایت اس طرح ہے جس طرح اشجار میں پانی کی سرایت ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور کائنات میں ہر موجود کی بنیاد ہے) جس شجر کی جڑ سے پانی خشک ہو جاتا ہے وہ خشک ہو جاتا ہے۔

۱۵۔ ہر زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ازل سے لے کر ابد تک اپنا لباس بدلتے رہتے ہیں اور اکمل افراد کی صورت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی جلوہ نما ہوتے ہیں۔ (فصوص الحکم۔ فتوحاتِ مکیہ)

علامہ ابنِ عربی انسانِ کامل کے مقام کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

❁ ''چونکہ اسمِ اَللّٰہُ ذات جامع جمیع صفات ومنبع جمیع کمالات ہے لہٰذا وہ اصل تجلیات و

---

[1] تدبیر کرنے والا [2] ظاہر میں، ظاہری جسم و وجود کے ساتھ۔

ربّ الارباب کہلاتا ہے اور اس کا مظہر جو عین[1] ثانیہ ہوگا وہ عبداللہ عین الاعیان ہوگا۔ ہر زمانے میں ایک شخص قدمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر رہتا ہے جو اپنے زمانے کا عبداللہ ہوتا ہے اس کو قطب الاقطاب یا غوث کہتے ہیں جو عبداللہ یا محمدی المشرب[2] ہوتا ہے۔ وہ بالکل بے ارادہ تحتِ امر و قربِ وفرائض میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ کو جو کچھ کرنا ہوتا ہے اسکے توسط سے کرتا ہے''۔

(فصوص الحکم صفحہ نمبر 232 ترجمہ مولانا عبدالقدیر صدیقی ناشر نذیر سنز لاہور)

حضرت شیخ موید الدین جندی رحمتہ اللہ علیہ اسمِ اَللّٰہُ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اسمِ اعظم جس کا ذکر مشہور ہو چکا ہے اور جس کی خبر چار سو پھیل گئی ہے وہ حقیقتاً و معناً[3] عالمِ حقائق[4] اور معنی سے ہے اور صورۃً و لفظاً[5] عالمِ صورت و الفاظ[6] سے ہے۔ جمیع[7] حقائق کمالیہ[8] سب کی سب احادیث کا نام حقیقت ہے اور اس کے معنی وہ انسانِ کامل ہے جو ہر زمانہ میں ہوتا ہے یعنی وہ قطب الاقطاب اور امانتِ الٰہیہ کا حامل اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے اور اسمِ اعظم کی صورت ولی کامل (انسانِ کامل) کی ظاہری صورت کا نام ہے۔'' (تفسیر روح البیان جلد اول صفحہ نمبر 41 ترجمہ مولانا فیض محمد اویسی ناشر مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

حضرت سید عبدالکریم بن الجیلیؒ اپنی تصنیف انسانِ کامل میں فرماتے ہیں:

''وجودِ تعینات[9] میں جس کمال میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم متعین[10] ہوئے ہیں کوئی شخص متعین نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق، احوال، افعال اور اقوال اس امر کے شاہد ہیں کہ آپ

---

[1] ہو بہو وہی [2] قدمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر، اس کا مشرب یعنی طریقہ، راستہ، اخلاق و اعمال و احوال ہو بہو وہی ہوتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہیں [3] اصل میں، معنوی و حقیقی طور پر [4] عالمِ حقائق سے مراد روحانی عالم ہیں۔ لاھوت، یاھوت اور ھاھویت عالمِ حقائق ہیں جہاں حق (اللہ تعالیٰ) اپنی حقیقی صورت میں ظاہر ہے۔ [5] ظاہری صورت اور ظاہری الفاظ میں اس کا اظہار [6] عالمِ صورت و الفاظ سے مراد یہ دنیا یا عالمِ اجسام یعنی عالمِ ناسوت ہے یعنی وہ روحانی و باطنی طور پر عالمِ لاھوت و ھاھویت سے تعلق رکھتا ہے اور ظاہری جسمانی طور پر اس جہانِ جسم میں موجود ہے۔ [7] تمام، سب [8] کمالِ حق تعالیٰ سے متعلق تمام احادیث [9] ظاہری و باطنی وجود کے درجات [10] مقرر

ان کمالات میں منفرد ہیں آپ انسانِ کامل ہیں اور باقی انبیاء واولیاء اکمل صلوٰۃ اللہ علیھم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایسے ملحق ہیں جیسے کامل اکمل سے ملحق ہوتا ہے اور آپ کے ساتھ وہ نسبت رکھتے ہیں جو فاضل کو افضل سے ہوتی ہے لیکن مطلق[1] اکمل انسان حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات مبارک ہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بالاتفاق انسانِ کامل ہیں۔''

مزید فرماتے ہیں:

''انسانِ کامل وہ ہے جو بمقتضائے[2] حکمِ ذاتی بطورِ ملک[3] واصالت[4] اسماءِ ذاتی وصفاتِ الٰہی کا مستحق ہو۔ حق کیلئے اس (انسانِ کامل) کی مثال آئینے کی سی ہے کہ سوائے آئینہ کے کوئی شخص اپنی صورت نہیں دیکھ سکتا۔ اور نہ انسان کیلئے ممکن ہے کہ سوائے اسمِ اَللّٰہُ کے آئینہ کے، کہ وہ اس کا آئینہ[5] ہے، اپنے نفس کی صورت دیکھ سکے اور انسانِ کامل بھی حق کا آئینہ[6] ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ سوائے انسانِ کامل کے اپنے اسماء وصفات کو کسی اور چیز میں نہ دیکھے۔ وہی امانتِ الٰہیہ کا حامل ہے۔ یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے:

''اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا'' (الاحزاب۔72)

ترجمہ: ہم نے بارِ امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ سب نے اس کے اٹھانے سے عاجزی ظاہر کی لیکن انسان نے اسے اٹھالیا۔ بے شک وہ اپنے نفس کے لیے ظالم اور نادان ہے۔''

آپ انسانِ کامل کی مزید تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] قطعی Ultimate [2] بمقتضائے حکمِ ذاتی سے مراد اللہ کی ذات کے حکم کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے [3] حق، حقیقت، حقیقی طور پر [4] اصلیت میں، کسی بھی کدورت، کثافت اور آمیزش سے پاک انسانِ کامل کا اصل حقیقی وجود [5] اسمِ اَللّٰہُ اپنی پاکیزگی اور شفافیت کے باعث نفس انسان کے لیے آئینہ ہے یعنی اسمِ اَللّٰہُ کے ذکر کے ذریعے انسان اپنے نفس کو دیکھ اور پہچان سکتا ہے۔ [6] انسانِ کامل بھی ہر کدورت اور برائی سے پاک ہوتا ہے اس کا باطن آئینے کی طرح شفاف ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی کامل ترین پاکیزگی کی بنا پر اللہ کا آئینہ ہوتا ہے۔

❁ ''انسانِ کامل قطبِ عالم ہے جس کے گرد اوّل سے آخر تک وجود کے فلک گردش کرتے ہیں اور وہ جب وجود کی ابتداء ہوئی اس وقت سے لے کر ابدالاباد[1] تک ایک ہی شے ہے۔ پھر اس کے لیے رنگارنگ لباس[2] ہیں اور باعتبار لباس کے اس کا ایک نام رکھا جاتا ہے دوسرے لباس کے اعتبار سے اس کا وہ نام نہیں رکھا جاتا اس کا اصلی نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے اور اس کی کنیت ابوالقاسم اور اس کا وصف عبداللہ ہے اور اس کا لقب شمس الدین ہے، پھر باعتبار دوسرے لباسوں کے اس کے نام ہیں پھر ہر زمانہ میں اس کا ایک نام ہے جو اس زمانہ کے لائق ہوتا ہے.........

''حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر زمانہ میں اس زمانہ کے اکمل کی صورت میں اُس زمانہ کی شان کے مطابق ظاہر ہوتی ہے یہ انسانِ کامل اپنے زمانہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خلیفہ ہوتا ہے۔'' (ترجمہ فضل میراں ناشر نفیس اکیڈمی کراچی)

انسانِ کامل کے بارے میں کپتان ڈبلیو بی سیال لکھتے ہیں:

❁ ''مقام فنافی اللہ میں رہ کر بحر[3] ذات وصفاتِ الٰہی میں غوطے لگا کر بندۂ مومن بمصداق حدیثِ قدسی ''بِیْ یَسْمَعُ وَ یُبْصَرُ''[4] حق تعالیٰ کی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ اس مقام کی طرف ایک اور حدیث سے بھی اشارہ ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ کی صفات سے متصف ہو جاؤ) جب صفاتِ الٰہی سے بندہ مومن متصف ہو کر واپس بقا کی حالت کی طرف آتا ہے تو بحیثیت انسانِ کامل خلافتِ الٰہیہ کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے اور یہ مقام انسانی عروج کا بلند ترین مقام ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے۔ یہ عبدیت کا بلند ترین مقام ہے کیونکہ فنا میں رہ کر آدمی ہمیشہ کیلئے غرق ہو جاتا ہے۔'' (روحانیت اور اسلام)

---

[1] ہمیشہ ہمیشہ [2] لباس سے یہاں مراد جسمانی وجود ہے یعنی باطنی وروحانی طور پر حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک ہی ہے لیکن وہ ہر زمانے میں نئے لباس یعنی جسمانی وجودوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ مراد فنا فی الرسول فنا فی ھُو انسانِ کامل۔ [3] سمندر [4] حدیثِ قدسی ''میرا بندہ زائد عبادات اور نوافل کے ذریعے میرے اس قدر قریب ہوتا ہے کہ میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں وہ مجھ سے دیکھتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ مجھ سے سنتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں وہ مجھ سے پکڑتا ہے میں اس کے پیر بن جاتا ہوں وہ مجھ سے چلتا ہے'' کی طرف اشارہ ہے

اقبالؒ اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

قلب را از صبغۃ اللّٰہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام و ننگ دہ

ترجمہ: اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ لے اسی طرح عشق کو عزت واحترام حاصل ہوتا ہے۔ (قرآن میں اللہ فرماتا ہے: صِبۡغَةَ اللّٰهِ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً (البقرہ۔138) ترجمہ: (کہہ دو ہم) اللہ کے رنگ (میں رنگے گئے ہیں) اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے۔)

مسلمان بندہ مولا صفات است
دلِ او سرّے از اسرارِ ذات است
جمالش جز بہ نورِ حق نہ بینی
کہ اصلش در ضمیرِ کائنات است

ترجمہ: مسلمان بندہ (انسانِ کامل) خدا کی صفات سے متصف ہوتا ہے اور اس کا باطن خدا کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اُس کا حسن رازِ حق سے آشنا آنکھ ہی دیکھ سکتی ہے اور اس (انسانِ کامل) کی جڑ کائنات کے ضمیر (روح) میں ہے۔ یعنی وہ کائنات کے ہر راز سے آگاہ ہوتا ہے۔

اقبالؒ کا انسانِ کامل

علامہ اقبالؒ نے ''انسانِ کامل'' کو اپنے کلام میں مختلف ناموں سے مخاطب کیا ہے۔ مثلاً مومن، مردِ مومن، بندۂ مومن، مردِ حق، مردِ کامل، مردِ دانا، مردِ حُر، امامِ برحق، قلندر، صاحبِ ایجاد، مردِ خود آگاہ، دیدہ ور، صاحبِ ادراک، امامِ وقت، مردِ فقیر، بندۂ حق، مردِ بزرگ، مردِ قلندر، صاحبِ دِل اور مہدی برحق۔ لیکن ان تمام اصطلاحی ناموں سے مراد ''انسانِ کامل'' ہی ہے۔ اور شاعری کے اصولوں کی ضرورتوں کے مطابق آپ نے دوسرے عارفین کی طرح ''انسانِ کامل'' کو مختلف ناموں سے موضوع بحث بنایا ہے۔ پہلے ہم اس موضوع پر اردو کلام سے انتخاب پیش کر رہے ہیں:

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
''حق'' تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا ''امامِ برحق''
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں دکھا کر تجھ کو ''رخِ دوست''
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

امامت۔ رہبری، رہنمائی پیشوائی

حق۔ اللہ تعالیٰ

صاحبِ اسرار۔ پوشیدہ رازوں کو جاننے والا

امامِ برحق۔ اللہ کی طرف سے مقرر کیا گیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خلیفہ اور نائب، امامِ زمانہ، انسانِ کامل، فقیرِ کامل۔

حاضر و موجود۔ مادیت پرستی اور ظاہر پرستی، حاضر اور موجود یعنی نظر آنے والی مادہ چیزیں جن کی دلکشی بندے کی نظر اللہ سے ہٹا دیتی ہے۔

موت ۔ یہاں موت سے مراد جسم کی نہیں نفس کی موت ہے، جس کی طرف حدیث مُوتوا قبل ان تموتو ''مرنے سے پہلے مرجاؤ'' کی طرف اشارہ ہے۔

رخِ دوست۔ دیدارِ الٰہی۔ جب انسانِ کامل، جو اپنے دور کے طالبانِ مولیٰ کا مرشد کامل بھی ہوتا ہے، اپنی توجہ سے طالب کے نفس کے حجاب کو ختم کر دیتا ہے تو طالب کو اپنے باطن میں ہی اللہ کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔

دشوار۔ مشکل۔ جب باطن میں اللہ کا جلوہ دکھائی دیتا ہے تو اس حسین اور کامل ذات سے وصال کی طلب موت کو آسان اور خوبصورت بنا دیتی ہے۔ اس لیے زندگی موت کے مقابلے میں مشکل لگنے لگتی ہے۔

احساسِ زیاں۔ زندگی کا جتنا وقت اللہ کی محبت اور اس کے دیدار کے بغیر گزر گیا اس کے ضائع ہو جانے کا احساس۔

لہو گرما دے۔ جوش دلانا، جذبہ اور ولولہ پیدا کرنا۔ جدوجہد پر آمادہ کرنا تا کہ زندگی کی باقی بچی ہوئی سانسوں میں اللہ کا زیادہ سے زیادہ قرب اور رضا حاصل کر لی جائے۔

سان۔ تلوار یا چھری کی دھار تیز کرنے والا آلہ۔

قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحبِ مرکز، تو خودی کیا ہے، خدائی!

ہر لحظہ ہے ''مومن'' کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں، اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن

مرکز۔ اللہ کی ذات۔ انسان کی خودی یا باطن جس کا مرکز اللہ کی ذات ہے۔ روح اللہ کی ذات سے تخلیق ہوئی اس لیے اس کا اصل اور مرکز اللہ ہے۔

جدائی۔ دوری۔

صاحبِ مرکز۔ جس کا تعلق اللہ سے جڑ چکا۔ جس کی روح ذاتِ حق تعالیٰ میں واپس لوٹ کر فنا ہوگئی اور اسے اللہ کے ساتھ بقا حاصل ہوگئی۔ مراد انسانِ کامل۔

لحظہ۔ لمحہ

نئی شان۔ آیت قرآنی کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَانٍ (الرحمٰن) ترجمہ ''ہر روز اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے'' کی طرف اشارہ ہے۔

برہان۔ روشن دلیل۔ انسانِ کامل کا ہر عمل اور قول اللہ کے وجود کی دلیل ہوتا ہے۔

قہاری۔ اللہ کی صفتِ جلال۔ مقامِ ھاھویت میں اللہ کا جمال و جلال اکٹھا ہے۔ مراد ھاھویت (عالمِ احدیت)

غفاری۔ اللہ کی صفتِ جمال جو مقامِ یاھوت میں جمالِ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ مراد یاھوت (عالمِ وحدت)

قدوسی۔ روحِ قدسی جو نورِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عالمِ لاھوت میں تخلیق ہوئی۔ مراد عالمِ لاھوت (عالمِ وحدیت)

جبروت۔ عالمِ جبروت جہاں فرشتوں کی تخلیق اسی روحِ قدسی سے ہوئی۔ مراد عالمِ جبروت

چار عناصر۔ جب مسلمان ان تمام عالموں (ھاھویت، یاھوت، لاھوت اور جبروت) میں باطنی طور پر پہنچ کر فرشتوں کی نورانیت، روحِ قدسی کی پاکیزگی اور اللہ کی تمام صفاتِ جلال و جمال سے متصف ہوجاتا ہے تو کامل انسان بنتا ہے۔

قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دِل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا، صفت سورۂ رحمٰن

حقیقت میں ہے قرآن۔ انسانِ کامل کا باطن تمام نور ہوتا ہے اور اس میں تمام علمِ کُل موجود ہوتا ہے۔ قرآن بھی اپنی حقیقی نورانی صورت میں انسانِ کامل کے باطن میں موجود ہوتا ہے۔

قدرت کے مقاصد۔ اللہ کے ارادے، یعنی اس کا ارادہ اللہ کا ارادہ ہے۔ اس کے افعال و اعمال کے ذریعے قدرت کے افعال واعمال کا اظہار ہوتا ہے۔

عیار۔ کسوٹی، کھرا کھوٹا پرکھنے کا پتھر۔

میزان۔ ترازو۔ اچھائی برائی کو تولنے والا۔ وہی مردِ مومن ہی اللہ کے لیے اچھائی اور نیکی کا معیار ہوگا، اس کی نیکیوں اور مقامِ قربِ حق کی مناسبت سے باقی تمام امت کی نیکیوں کا معیار اور مقامِ قربِ حق طے ہوگا۔

جگرِ لالہ۔ لالہ کے پھول میں

دہل جانا۔ ڈر کے مارے کانپ اٹھنا۔ مردِ مومن اللہ کے جلال و جمال کا اظہار ہے اسی کے جمال سے دنیا کی تمام رنگینیاں، رحمتیں اور کرم و مہربانیاں ہیں اور اسی کے جلال سے تمام ہیبتیں اور غضبناکیاں ہیں۔ وہ جمال (شبنم) بھی ہے جلال (طوفان) بھی۔

فطرت۔ قدرت، اللہ تعالیٰ۔

سرود۔ نغمہ۔

ازلی۔ ازل سے، ہمیشہ سے۔

اس کے شب وروز۔ اس کے دِن رات کے اعمال واحوال یعنی اس کی ہر حالت اور ہر عمل اور ہر سوچ وہی ہے جو ازل سے اللہ کی چاہت ہے۔ اللہ جس صورت میں اور جس طرح اپنا اظہار چاہتا ہے، مردِ مومن ہو بہو وہی ہے۔

آہنگ۔ آواز۔ مراد اس کے طور طریق، اس کے اعمال واحوال اور اس کا تعلق باللہ۔

یکتا۔ منفرد۔ سب سے علیحدہ۔ بے نظیر۔

صفت سورۂ رحمٰن۔ سورۃ رحمٰن کی طرح۔ جس طرح سورۃ رحمٰن قرآن میں خاص مقام و اہمیت کی حامل ہے اور جس طرح سورۃ الرحمٰن میں اللہ کا ایک منفرد اندازِ بیان ہے اسی طرح مردِ مومن بھی منفرد ہے، سورۃ الرحمٰن میں بھی اللہ نے اپنی تمام دنیاوی و اخروی نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور مردِ مومن میں بھی اللہ کی تمام صفات جمع ہیں۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اُولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بُوئے اسدُ اللّٰہی
آئینِ جوانمرداں، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا؟
نگاہِ ''مردِ مومن'' سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

نگہ بلند، سُخن دِل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رَختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

دارا۔ ایران کا بادشاہ۔ مراد حکمران

سکندر۔ یونان کا بادشاہ۔ مراد حکمران

مردِ فقیر۔ انسانِ کامل۔ فقیرِ کامل

اُولیٰ۔ بہتر۔ بڑا

بوئے اسد اللّٰہی۔ اسد اللہ یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ جیسی اعلیٰ صفات، ان جیسا فقر اور مقامِ قربِ الٰہی۔

آئینِ جوانمرداں۔ جوانمرد مومنوں کا طریقہ اور اصول۔

حق گوئی۔ سچ بولنا، حق بات کہنا۔

بے باکی۔ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا۔

روباہی۔ مکر۔ لومڑی جیسا فریب۔

نگاہِ مردِ مومن۔ انسانِ کامل کی روحانی قوت کی انتہا کی جانب اشارہ ہے کہ وہ اپنی ایک توجہ سے بدنصیب کو بانصیب اور اللہ کے قرب سے محروم کو اللہ کے قرب و رضا کے بلند مقام تک پہنچا سکتا ہے۔

نگہ بلند۔ حوصلہ اور عزم بلند، اور نگاہ صرف اللہ کی ذات پر۔

سُخن دلنواز۔ اندازِ بیاں دل میں اترنے والا

جاں پُرسوز۔ عشقِ حقیقی کی تڑپ سے معمور روح

رَختِ سفر۔ راستے کا سامان

میرِ کارواں۔ قافلے کا سالار مراد انسانِ کامل، مرشد کامل اکمل جو اللہ کے طالبوں کی راہِ فقر پر راہنمائی کرتا ہے۔

نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیلؑ
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لَآ اِلٰہَ میں ہے

جو عالمِ ایجاد میں ہے ''صاحبِ ایجاد''
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

تخت و تاج۔ بادشاہی۔ حکمرانی

نے۔ نہ، نہیں

لشکر و سپاہ۔ فوج

مردِ قلندر۔ انسانِ کامل، فقیرِ کامل۔

بارگاہ۔ انسانِ کامل، فقیرِ کامل یعنی مرشدِ کامل کی محفل یا مجلس جہاں انسان روحانی طور پر بلندی حاصل کر کے قربِ حق میں پہنچتا ہے۔

صنم کدہ۔ بت کدہ، اس دنیا میں تمام لوگ جسموں کے بتوں سے محبت کرتے ہیں اصل انسان یعنی 'روح' پر ان کی کوئی توجہ نہیں۔ ان کی عبادات بھی اپنی خواہشات کے بتوں کے لیے ہیں نہ کہ اللہ کے لیے۔

مردِ حق۔ انسانِ کامل۔ فقیرِ کامل

خلیلؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کا لقب جنہوں نے قوتِ الٰہی سے تمام بتوں کو پاش پاش کیا تھا۔ یعنی انسانِ کامل اپنی باطنی قوت سے راہِ فقر کے سالک کے دل میں موجود تمام مادی محبتوں اور خواہشات کے بتوں کو توڑ دیتا ہے۔

لَآ اِلٰـہَ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمام بتوں سے نجات اس وقت حاصل ہوتی ہے جب طالب کی ہر محبت اور ہر رشتہ صرف اللہ سے جڑ جاتا ہے کیونکہ جو محبوب ہے وہی معبود ہے۔

عالمِ ایجاد۔ ایجاد کرنے کا جہاں۔ یہ دنیا جہاں نئی نئی چیزیں ایجاد ہوتی ہیں۔

صاحبِ ایجاد۔ اللہ کی ایک صفت 'بَدِیْعُ' ہے 'نئی چیز پیدا کرنے والا'۔ انسانِ کامل اللہ کی تمام صفات سے متصف ہوتا ہے، دنیا کے کارخانے میں اللہ کی صفت بدیع کا اظہار بھی انسانِ کامل کے توسط سے ہوتا ہے۔

طواف اس کا زمانہ۔ انسانِ کامل کو قطبِ عالم بھی کہا جاتا ہے۔ قطب کے معنی وہ کیل ہے جس کے گرد چکی گھومتی ہے۔ انسانِ کامل وہ قطب ہے جس کے گرد تمام کائنات گردش کرتی ہے۔

خودی سے ''مردِ خود آگاہ'' کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے، باقی تمام تفسیریں

عالَم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاکؐ نہیں ہے

خودی۔ باطنی ذات یعنی اللہ تعالیٰ

مردِ خود آگاہ۔ انسانِ کامل جسے اپنی خودی سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور وہ اللہ کی ذات کی کامل معرفت حاصل کر چکا ہوتا ہے اور اس کی تمام صفات سے متصف ہو چکا ہوتا ہے۔

جمال وجلال۔ اللہ کی تمام صفات یا جلالی ہیں یا جمالی۔ اور انسانِ کامل ان تمام صفات کا مجموعہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میں نے انسان کو اپنے دونوں ہاتھوں (مراد جمال وجلال) سے بنایا۔'' اس مصرعے کے معنی یہ ہیں ''انسانِ کامل کی تمام جلالی و جمالی صفات اس کی خودی یعنی اس کے وجود میں اللہ کی ذات کی موجودگی کی وجہ سے ہیں، یعنی اس کی تمام صفات درحقیقت اللہ کی صفات ہیں۔''

کتاب۔ قرآن میں اللہ نے فرمایا ترجمہ ''اور ہم نے ہر امر کو جمع کر رکھا ہے ایک کتابِ مبین میں'' (سورہ یٰسین)۔ یہ کتابِ مبین انسانِ کامل کی ذات ہے جس میں اللہ کا ہر امر، ہر حکم، ہر ارادہ اور ہر صفت جمع ہے۔ اللہ واحد ہے، اللہ کا مظہر انسانِ کامل بھی واحد ہے اور اس کی کتاب بھی واحد ہے۔

تفسیریں۔ انسانِ کامل کے علاوہ دیگر علماء و اولیاء کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح کتاب ایک اور تفسیریں بہت سی ہوتی ہیں اسی طرح انسانِ کامل بھی واحد اور دیگر علماء بہت سے ہیں۔ اصل اور سچا علم کتاب میں ہوتا ہے اور تفسیریں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں ان میں تضاد بھی ہوتا ہے۔

عالَم۔ یہاں عالم سے مراد تمام ظاہری و باطنی عالم ہیں یعنی عالمِ ناسوت، ملکوت، جبروت، لاھوت، وحدت اور احدیت۔

مومنِ جانباز۔ اپنی ہستی کو مٹا کر اللہ کی ذات کو پا لینے والا مومن مراد انسانِ کامل۔

میراث۔ انسانِ کامل کو تمام ظاہری و باطنی عالموں پر تصرف اور اختیار حاصل ہوتا ہے۔ یہ تصرف اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب ہونے کی بنا پر ان سے وراثت میں ملتا ہے۔

جہان تمام ہے میراث ''مردِ مومن'' کی
مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاکؐ

''مومن'' کے جہاں کی حد نہیں ہے
مومن کا مقام ہر کہیں ہے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں ''دیدہ ور'' پیدا

حجت۔دلیل

لولاکؐ۔مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات۔اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے فرمایا لَوْلَاکَ لِمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ ترجمہ: ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر آپ کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا۔'' صاحبِ لولاک سے مراد وہ ذات ہے جو اللہ کی محبوب ہے اور جس کے لیے اللہ نے اس کائنات کو پیدا فرمایا اور جس کی خاطر اسے قائم رکھا ہوا ہے۔کائنات میں ہر وقت ایک ذات ایسی موجود ہوتی ہے جس میں حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظاہر ہوتی ہے، وہ انسانِ کامل کی ذات ہوتی ہے۔جب مومن فنافی الرسول کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کی اپنی ہستی نورِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں فنا ہو جاتی ہے اور حقیقتِ محمدیہ اس میں ظاہر ہو جاتی ہے۔وہ انسانِ کامل کے مقام پر فائز ہو کر محبوبِ الٰہی اور صاحبِ لولاک بن جاتا ہے۔حقیقی مومن کہلانے کا حقدار وہی ہے۔

مومن کا مقام ہر کہیں ہے۔انسانِ کامل کی روحانیت اس کی بشریت پر غالب ہو چکی ہوتی ہے۔مادی جسمانی رکاوٹیں اس کی روح کا راستہ نہیں روک سکتیں۔

ہزاروں سال۔مراد ایک لمبا عرصہ۔دن اور رات کی قید جسم کے لیے ہے اور مہینے اور سالوں کا حساب بھی جسم کے لیے ہے۔روح چونکہ اللہ سے جڑی ہے اس لیے اس کے لیے دن اور رات کی قید نہیں۔اقبالؒ نے ایک لمبے عرصے کو ظاہر کرنے کے لیے ہزاروں سال کی تشبیہ استعمال کی۔

نرگس۔ایک پھول جسے آنکھ سے تشبیہ دی جاتی ہے یہاں مراد طالبِ مولیٰ کی روح ہے۔

بے نوری۔جب تک ذکر و تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات اور مرشد کامل کی مہربانی سے روح بیدار نہیں ہوتی اور نورِ بصیرت سے اس کی آنکھیں روشن نہیں ہوتیں، وہ جلوۂ حق کی دید سے محروم رہتی ہے۔اس بے نوری اور محرومی کا احساس طالب کی روح کو بے چین رکھتا ہے۔

بقیہ: صفحہ نمبر 171 پر

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے ''قلندر''
ایام کا مَرکب نہیں، راکب ہے ''قلندر''

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

اے حلقۂ درویشاں! وہ مردِ خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز

بقیہ: صفحہ نمبر 170

بڑی مشکل ہے۔ ایسے صاحبِ بصیرت انسانِ کامل کو اس دھوکہ دہی اور فریب کے پُرفتن زمانے میں تلاش کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ وہ اپنی حقیقت کو چھپا کر لوگوں میں عام انسانوں کی طرح رہتا ہے حالانکہ اس کی حقیقت عام انسانوں سے بالکل مختلف ہے۔ البتہ صدقِ دل سے صرف اللہ کے دیدار اور قرب کی خاطر اسے تلاش کرنے والوں کو اللہ خود اس کے در تک پہنچا دیتا ہے۔

چمن۔ یہ جہان

دیدہ ور۔ صاحبِ نظر صاحبِ بصیرت جس کی باطنی آنکھیں جلوۂ حق تعالیٰ سے معمور ہوں۔ مراد انسانِ کامل مرشد کامل جو خود بھی دیدارِ الٰہی سے فیض یاب ہے اور اپنے طالبوں کی روحوں کو بھی بیدار کر کے نورِ بصیرت عطا کرنے کی قوت رکھتا ہے۔

صفحہ: 171

مہر۔ سورج۔ **مہ**۔ چاند۔ **انجم**۔ ستارے

محاسب۔ حساب کرنے والا۔ یعنی تمام کائنات قلندر (انسانِ کامل) کے تصرف میں ہے۔

ایام۔ دن مراد زمانہ، وقت

مَرکب۔ سواری مراد غلام

راکب۔ سوار مراد حکمران۔ یعنی انسانِ کامل وقت کی قید سے آزاد ہے۔ وقت اس کا غلام ہے جبکہ باقی لوگ وقت کے غلام ہیں۔

صاحبِ امروز۔ امروز کے معنی 'آج کے دن' کے ہیں۔ صاحبِ امروز سے مراد انسانِ کامل ہے۔ جس کی گرفت میں موجودہ وقت ہے۔

گوہر۔ موتی

فردا۔ کل کا وقت۔ یعنی حال اسی کا ہے۔ جس کی نظر مستقبل کی تبدیلیوں اور ضرورتوں پر ہو، جو آنے والے وقت کو جانتا ہو اور اپنے آج کو اس کے مطابق ترتیب دے۔

حلقہ۔ گروہ

گریبان میں۔ مراد باطن یا قلب میں

ہنگامہ رستہ خیز۔ قیامت کا شور۔ محشر برپا ہونا۔

آپؒ اپنی نظم ''مردِ بزرگ'' میں ''انسانِ کامل'' کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس کی نفرت بھی عمیق، اس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اُس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق
پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں
ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق
انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمعِ محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

عمیق ۔شدید۔ انسان کامل کی نفرت شرک، کفر فتنہ فساد سے ہے۔

قہر۔ صفتِ جلال۔ انسانِ کامل اس صفت سے طالبانِ مولیٰ کے نفس کو فنا کرتا ہے

شفیق ۔مہربان۔ انسان کامل کے قہر اور جلال سے جب نفس فنا ہوتا ہے تو طالبِ مولیٰ کو کائنات کی سب سے بڑی نعمت دیدارالٰہی حاصل ہوجاتی ہے یوں اس کا قہر بھی مہربانی کی صورت ہے۔

پرورش پاتا ہے۔ اس کی باطنی تربیت کی جاتی ہے

تقلید۔ پیروی۔ اس کی تربیت اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی کی ،جس طرح حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اکابر صحابہ کرامؓ کی کی۔ اور جس طرح فقر و اماناتِ الٰہیہ کے حامل تمام کامل اولیاء نے اپنے وارثِ فقر کی کی۔

تاریکی ۔اس کی تربیت باطن میں کی جاتی ہے جس کی خبر ظاہری نظر سے دیکھنے والے کو بالکل نہیں ہوتی۔

طبیعت ۔فطرت

تقاضا۔طلب۔مطالبہ

تخلیق ۔نئی شے پیدا کرنا۔ وہ طالبانِ مولیٰ کی پرانی باطنی شخصیت کو ختم کر کے انہیں ایک نئی خوبصورت شخصیت عطا کرتا ہے جو رضائے الٰہی کے عین مطابق ہوتی ہے اور ہر زمانے میں فقر کے لیے اصول وضع کرتا ہے جو اس زمانے کی ضرورتوں کے مطابق ہوتے ہیں تا کہ طالبوں کو راہِ فقر پر چلنے میں مشکل نہ ہو۔

انجمن ۔محفل

خلوت ۔تنہائی۔ وہ ظاہری طور پر لوگوں میں بیٹھا ہوتا ہے اور ان سے باتیں کر رہا ہوتا ہے لیکن باطن میں صرف اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا'' میں تیس سال سے اللہ سے ہم کلام ہوں لیکن لوگ سمجھتے ہیں میں ان سے بات کر رہا ہوں۔'' اس کا ظاہری وجود محفل میں لیکن اس کا باطن اللہ واحد کے ساتھ واحد ہوتا ہے۔

رفیق ۔دوست

مثلِ خورشیدِ سحَر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ، معنی میں دقیق
اس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیرانِ طریق

❁ مَیسّر آتی ہے فُرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے ''بندۂ حُر'' کے لئے جہاں میں فراغ

❁ جس ''بندۂ حق بیں'' کی خودی ہوگئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے بُرّندہ و براق

خورشیدِ سحر۔صبح کا روشن سورج
فکر کی تابانی۔خیالات کی روشنی۔اس کی سوچ اور خیالات اس قدر روشن اور تازہ ہیں جیسے ایک نئے دن کا روشن سورج۔
آزادہ۔آزاد
دقیق۔باریک،نازک یعنی اس کی عام اور سادہ گفتگو میں بھی رازِ حق کے باریک اور گہرے نکتے پوشیدہ ہوتے ہیں۔
احوال۔اسکا باطنی حال اور مقام،اسکا بظاہر انسان لیکن حقیقت میں مظہرِ حق تعالیٰ ہونا۔
محرم۔جاننے والے
پیرانِ طریق۔عام صوفیا۔اس کا مرتبہ تمام اولیاء و صوفیاء سے بڑھ کر اور اعلیٰ ہے اس کے مقام و مرتبہ کی خبر عام صوفیاء کو نہیں۔
غلاموں۔مراد اپنے نفس کے غلام
بندۂ حُر۔آزاد انسان، مراد جسم اور نفس کی خواہشات سے آزاد اور نفس پر حاکم انسان کامل
فراغ۔فرصت۔سکون۔نفس کے غلام انسان کی روح چونکہ نفس کی قید میں ہے اور اللہ کی طرف بڑھ نہیں رہی اس لیے اسے فرصت ہی فرصت ہے، نہ اس میں کوئی ہلچل ہے نہ حرکت اور نہ اضطراب جبکہ انسانِ کامل ہر لمحہ قربِ حق کی منازل طے کر رہا ہے ظاہری اعمال کے ذریعے بھی اور باطنی اعمال کے ذریعے بھی۔
بندہ حق بیں۔اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والا بندہ، دیدارِ الٰہی کرنے والا انسانِ کامل۔
بیدار۔جاگنا، ہوشیار ہونا۔
شمشیر۔تلوار
برّندہ۔کاٹنے والی
براق۔بجلی کی طرح چمکدار یعنی اس کا باطن شفاف اور چمکدار اور تلوار کی طرح نفس کی تمام زنجیریں کاٹنے والا ہے۔

اُس کی نگاہِ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرے میں پوشیدہ ہے جو قوتِ اِشراق
اُس ''مردِ خدا'' سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
تُو بندۂ آفاق ہے، وہ ''صاحبِ آفاق''

دنیا کو ہے اُس ''مہدیِ برحق'' کی ضرورت
ہو جس کی نِگہ زلزلۂ عالمِ افکار

وہی ہے ''بندۂ حُر'' جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیّاری

نمودار۔ظاہر
قوتِ اِشراق۔اِشراق سورج کے طلوع ہونے کو یا روشنی کے ظاہر ہونے کو کہتے ہیں یہاں مراد نورِ الٰہی ہے جو کائنات کے ہر ذرّے میں چھپی ہوئی قوت ہے۔ ہر شے اسی نور کی بدولت قائم ہے اور حرکت کر رہی ہے، اللہ کا یہ نور صرف انسانِ کامل کی نظروں پر ظاہر ہے۔
نسبت۔تعلق واسطہ۔ یعنی تیرا اس سے کوئی مقابلہ نہیں۔
بندۂ آفاق۔دنیا کا غلام، اس دنیا کی چھ سمتوں اور وقت کے حصار میں قید۔
صاحبِ آفاق۔کائنات پر حکمران، کائنات کی کوئی شے اس کی راہ کی رکاوٹ نہیں بن سکتی بلکہ ہر شے اس کے حکم کی تابع ہے۔
مہدی۔رہنما، پیشوا
برحق۔سچا۔کامل۔حق کی طرف سے بھیجا گیا مراد انسانِ کامل۔

نِگہ۔نگاہ۔نظر
زلزلۂ عالمِ افکار۔خیالات اور افکار کی دنیا میں ہلچل مچا دینے والا، انسانِ کامل کی ایک نگاہ طالب کے من کی دنیا میں ہلچل مچا دیتی ہے اس کے افکار و خیالات کو دنیا سے ہٹا کر اللہ کی طرف متوجہ کر دیتی ہے۔
بندۂ حُر۔آزاد مرد۔مراد انسانِ کامل
ضرب۔چوٹ، وار
کاری۔خوب اثر کرنے والی یعنی اس کی نگاہ کا اثر طالب کے دل پر بہت شدید ہوتا ہے، اور وہ اپنے تصرف واختیار سے دنیا کے عوامل پر بھی شدید اثر رکھتا ہے۔
حرب۔جنگ
عیّاری۔چالاکی، مکاری۔انسانِ کامل، فقیرِ کامل وہ نہیں جو چالاکی و مکاری سے جنگیں جیت کر علاقے فتح کرتا ہے بلکہ وہ ہے جو اپنی نگاہ سے دلوں کی سلطنت کو فتح کرتا ہے۔

کہتا ہے زمانے سے یہ درویشِ جواں مرد
جاتا ہے جدھر ''بندۂ حق''، تو بھی اُدھر جا

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دِل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
ہجوم کیوں زیادہ ہے شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ ''پیرِ مغاں'' ہے مردِ خلیق
پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی
تو صاحبِ منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی

درویش جواں مرد۔عشق حقیقی میں غرق دلیر اور بے باک مرد۔اقبال اپنی طرف اشارہ کر رہے ہیں

بندۂ حق۔انسانِ کامل۔اقبال زمانے کو یہ سبق دے رہے ہیں کہ انسانِ کامل کو تلاش کر کے اس کی تقلید و پیروی کرو تا کہ راہِ حق کو پالو اور دنیا پر حکمران ہو جاؤ۔

رفیق۔ساتھی۔یعنی جو دل میں ہو وہی زبان پر ہو۔

طریق۔طور طریقہ راستہ

قلندروں۔انسانِ کامل۔فقیرِ کامل

شراب خانے۔یہاں مراد انسانِ کامل کی بارگاہ ہے جو دیدارِ الٰہی کی شراب طالبوں کو پلاتا ہے جو انہیں دنیا بھلا کر عشق حقیقی میں مست کر دیتی ہے۔

پیرِ مغاں۔روحانی پیشوا، کامل مرشد

مردِ خلیق۔اعلیٰ ترین اخلاق رکھنے والا۔نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہونے کی بنا پر انسانِ کامل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعلیٰ اخلاق سے بھی متخلق ہوتا ہے۔

فطرت۔اشارہ انسانی فطرت اور ضمیر کی طرف ہے اقبال انسان کو اپنے ہی دل اور ضمیر سے پوچھنے کا کہہ رہے ہیں کیونکہ انسان اپنے دل کی بات پر سب سے زیادہ یقین کرتا ہے۔

صاحبِ منزل۔مسلمان کی منزل اللہ کی ذات ہے۔جو اس ذات کو پالے اس کے دیدار اور قرب تک پہنچ جائے وہ صاحبِ منزل ہے۔

بھٹکا ہوا راہی۔دنیا اور لذاتِ دنیا میں گم اور مشغول۔قربِ الٰہی سے دور انسان۔

کافر ہے مسلماں، تو نہ شاہی نہ فقیری
''مومن'' ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی
کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
''مومن'' ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کافر ہے تو ہے تابعِ تقدیر مسلماں
''مومن'' ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی

کافر ہے مسلمان۔ مسلمانوں کے اعمال اور عقائد کافروں جیسے ہیں یعنی وہ اللہ سے اتنے ہی دور ہیں جتنے کافر ہوتے ہیں۔

نہ شاہی نہ فقیری۔ اس کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں۔ نہ دنیا کی بادشاہی اس کے لیے ہے اور نہ فقر یعنی راہِ حق تعالیٰ میں اس کی کوئی جگہ ہے۔ وہ دنیا میں بھی غلام ہے اور اللہ کی طرف سے بھی ٹھکرایا ہوا ہے۔

مومن۔ انسانِ کامل جو اللہ کو پا چکا ہے

فقیری میں بھی شاہی۔ اس کا فقر اس کو دنیا و آخرت میں بادشاہوں کا بادشاہ بنا دے گا۔

بے تیغ۔ تلوار کے بغیر صرف اللہ کے بھروسہ پر، اس کا اصل جہاد نفس سے ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جہادِ اکبر قرار دیا ہے اس کے لیے تلوار کی ضرورت نہیں مومن ہر لمحہ اس جہاد میں مصروف رہتا ہے۔

تابع تقدیر۔ جو مسلمان کافروں جیسے اعمال وعقائد رکھتا ہے اور اللہ سے دور ہے اسے تقدیر کے تابع رہتے ہوئے اس کے تمام دکھ درد سہنے ہوتے ہیں وہ تقدیر کے بھنور میں پھنسا رہتا ہے۔

آپ ہے تقدیر الٰہی۔ مومن (انسانِ کامل) خودی اور قربِ حق کے اس مقام پر ہے کہ اپنی اور دوسروں کی تقدیر خود لکھتا ہے جیسا کہ اقبال نے فرمایا:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

"قلندر" جُز دو حرف لَآ اِلٰہَ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لُغت ہائے حجازی کا

پانی پانی کر گئی مجھ کو "قلندر" کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے، نہ من تیرا نہ تن
امینِ راز ہے "مردانِ حُر" کی درویشی
کہ جبرئیلؑ سے ہے اس کو نسبتِ خویشی

جُز دو حرف۔ دو حرفوں کے سوا

لَآ اِلٰہَ۔ نہیں میرا کوئی معبود، محبوب، مقصود سوائے اللہ کے۔یعنی انسانِ کامل لَآ اِلٰہَ کے دو حروف سے اللہ کے سوا ہر شے کی نفی کر دیتا ہے۔ اس کا تمام سرمایہ لَآ اِلٰہَ ہے۔جو ہر شے سے توڑ کر اسے اللہ سے جوڑ دیتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں جانتا اور نہ ہی جاننا چاہتا ہے۔

فقیہہ شہر۔شہر کا قاضی، قانون دان، عالم

قارون۔ بہت دولتمند

لغت ہائے حجازی۔عربی الفاظ کی ڈکشنری۔

یعنی علماء وفقہا تو عربی جاننے کی بنا پر قرآن وحدیث کے نئے نئے بے شمار معنی نکال لیتے ہیں لیکن انسانِ کامل کا ہر علم اسے لَآ اِلٰہَ یعنی ماسویٰ اللہ کی نفی کرنے سے حاصل ہوا۔جب اس کا رشتہ صرف اللہ سے جُڑ گیا اور اللہ اس کی ذات میں ظاہر ہو گیا تو قرآن وحدیث کا حقیقی علم بھی اسے خود اللہ عطا کرتا ہے۔

نہ من تیرا نہ تن۔ ظاہر و باطن کا دِل اور جسم، روح اور جسم سے بیگانہ اور اندھا۔نورِ بصیرت سے محروم۔

امینِ راز۔ اللہ کے راز کا امانت دار، امانتِ الٰہیہ کا وارث۔

مردانِ حُر۔ آزاد انسان، انسانِ کامل جو نفس اور دنیا کی قید سے آزاد ہو۔

نسبتِ خویشی۔ تعلق، قریبی رشتہ۔جس طرح حضرت جبرائیلؑ تمام فرشتوں میں بلند رتبہ رکھتے ہیں اسی طرح انسانِ کامل تمام انسانوں میں بلند ترین درجہ کا حامل ہے۔جس طرح حضرت جبرائیلؑ اللہ کے تمام رازوں کے امین ہیں اسی طرح انسانِ کامل بھی اللہ کے رازوں کا امین ہے۔

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط ''مردانِ حُر'' کی آنکھ ہے بینا
اس مردِ خود آگاہ و خدا مَست کی صحبت
دیتی ہے گداؤں کو شکوہِ جم و پرویز

اپنے فارسی کلام میں اقبالؒ نے ''انسانِ کامل'' کے نظریہ کو بہت خوبصورت اور جامع انداز میں پیش کیا ہے۔آپ کے فارسی کلام سے انتخاب پیش کیا جا رہا ہے:

1۔ گر شتربانی جہانبانی کنی
زیب سر تاج سلیمانؑی کنی

2۔ تاجہاں باشد جہاں آرا شوی
تاجدارِ ملک لایبلیٰ شوی

غلاموں۔مراد خواہشاتِ نفس کا غلام

بصیرت۔خواہشاتِ نفس کے غلاموں کی عقل انہیں صرف اپنی خواہشات کی تکمیل کی راہ دکھائے گی۔ انہیں قوم وملت کا مفاد کبھی دکھائی نہ دے گا، ان کی بصیرت صرف اپنی ذات تک محدود ہوتی ہے اس لیے انکی بصیرت پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا۔حدیث پاک ہے کہ ''مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔'' اس لیے مردِ حُر انسانِ کامل اللہ کے نور سے ہر ظاہر و باطن، حاضر و غائب، ماضی و مستقبل کو اپنی چشمِ بصیرت سے دیکھ سکتا ہے۔اسی کا فیصلہ قوم و ملت کے لیے بہترین ہے جیسا کہ مردِ مومن اقبالؒ نے اپنی بصیرت کی بنا پر مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا نظریہ پیش کیا جبکہ علماء نے اسے رد کر دیا۔

مردِ خود آگاہ و خدا مست۔وہ انسانِ کامل جو اپنی حقیقت سے واقف اور خدا کی ذات کے عشق میں مست ہے۔

صحبت۔اس کا ساتھ، قرب۔

گداؤں۔مانگنے والے، مفلس۔

شکوہ۔شان و شوکت۔

جم۔ایران کا بادشاہ جمشید۔

پرویز۔ایران کا بادشاہ۔یعنی انسانِ کامل کی صحبت سے عام سے عام مسلمان بھی باطنی طور پر ان مراتب تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جو دنیاوی بادشاہوں کی شان و شوکت سے بھی کہیں بڑھ کر ہیں۔

3۔ نائبِ حق در جہاں بودن خوش است
برعناصر حکمراں بودن خوش است

4۔ نائبِ حق ہمچو جانِ عالم است
ہستی او ظلِ اسمِ اعظم است

5۔ از رموزِ جز و کل آگہ بود
در جہاں قائم بامر اللہ بود

1۔اگر تو شتربان بن جائے (یعنی نفس کے اونٹ کو قابو میں لے آئے) تو دنیا پر حکم چلائے گا اور سلیمانؑ کا تاج تیرے سر کی زینت بنے گا۔(یعنی نفس کا پردہ ہٹا کر مقامِ فنا فی اللہ بقا باللہ پر پہنچ کر انسانِ کامل کے مرتبہ پر فائز ہو جائے گا)۔2۔جب تک یہ دنیا قائم ہے تو اس کو سجانے والا رہے گا اور تُو اس ملک (یعنی کائنات) کا تاجدار بن جائے گا اور تیری حکمرانی کو کبھی زوال نہ آئے گا۔3۔دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نائب (انسانِ کامل) بننا اچھی بات ہے۔عناصر پر حکمرانی کرنا کتنا اچھا ہے۔4۔خدا کا نائب (انسانِ کامل) دنیا کی روح کی مانند ہے، اس کا وجود اسمِ اعظم (اسمِ اَللّٰہُ ذات) ہوتا ہے۔5۔وہ اس کائنات کے ہر جُز اور کل کے راز جانتا ہے اور دنیا میں اللہ کی طرف سے مامور ہوتا ہے۔

1۔ خیمہ چوں در وسعتِ عالم زند
ایں بساط کہنہ را برہم زند

2۔ نوع انساں را بشیر و ہم نذیر
ہم سپاہی ہم سپہگر ہم امیر

1۔جب وہ (انسانِ کامل) کائنات کی وسعتوں میں خیمہ لگا لیتا ہے (یعنی اپنی مسند سنبھال لیتا ہے) تو پرانی بساط کو الٹ کے رکھ دیتا ہے (یعنی اپنے لئے نیا جہان پیدا کرتا ہے)2۔وہ بنی نوع انسان کے لئے بشیر اور نذیر ہے (یعنی خوش خبری دینے والا بھی ہے اور اسے برائی سے روکنے اور

اللہ کے غضب سے ڈرانے والا بھی)۔وہ سپاہی بھی ہوتا ہے، فوج کا سپہ سالار بھی ہے اور سردار بھی۔

1۔ مدعائے علم الاسما ستے
سِرّ سبحان الذیٰ اسرا ستے

2۔ از عصا دستِ سفیدش محکم است
قدرت کامل بعلمش توام است

3۔ چوں عناں گیرد بدست آں شہسوار
تیز ترگرد سمندِ روزگار

1۔وہ علم الاسماء کا مقصود و مدعا ہوتا ہے، وہ (نائبِ خدا) ''سبحان الذیٰ اسرا'' کا بھید (راز) ہوتا ہے۔یہاں علم الاسماء سے مراد اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا (البقرہ۔31) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے) آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم عطا فرمایا'' اور سبحان الذی اسرا ترجمہ: (پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کروائی اپنے بندے کو (بنی اسرائیل۔1)) سے معراج شریف کے سفر کی طرف اشارہ ہے کہ انسانِ کامل معراج کا راز ہے۔ 2۔عصا (لاٹھی، مراد اللہ کی عطا کی ہوئی قوت) سے اس کا سفید ہاتھ (یدِ بیضا، روشن ہاتھ) مضبوط ہے، اس کا مکمل اختیار و قدرت اس کے علم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ (اس کا علم اور قدرتِ کامل دونوں جڑواں ہوتے ہیں)۔ 3۔جب وہ شہسوار اپنے ہاتھوں میں زمانے کے گھوڑے کی باگ تھام لیتا ہے تو اس (گھوڑے) کی رفتار اور بھی تیز ہو جاتی ہے۔یعنی جب وہ مسندِ ارشاد سنبھال لیتا ہے تو زمانہ اس کے اشارہ کے مطابق حرکت کرتا ہے۔

نمودش سِرّے از اسرارِ غیب است
ز ہر گردے بروں ناید سوارے

ترجمہ: اس (انسانِ کامل) کا دنیا میں ظاہر ہونا اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ رازوں میں سے ایک راز ہے

کیونکہ ہر اُڑتی ہوئی گرد و غبار سے کوئی سوار برآمد نہیں ہوتا۔یعنی دیگر علماء کی طرح علم و فضل یا قیل و قال سے لوگوں کو قائل کرنے والا اور اپنی گفتگو یا کرامات کے ذریعے خود کو لوگوں پر ظاہر کرنے اور ان سے ستائش طلب کرنے والا انسان ''انسانِ کامل'' نہیں ہوتا۔

1۔ بندۂ مومن ز آیاتِ خداست
ہر جہاں اندر برِ او چوں قباست

2۔ چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانے دیگرش

1۔بندۂ مومن (انسانِ کامل) خدا کی نشانیوں میں سے ہے اور اس بنا پر ہر جہاں اس کے پہلو میں قبا (لباس) کی مانند ہے یعنی وہ جہان کی رُوح اور اصل وجود ہے جبکہ یہ ظاہری جہان اس کے وجود کے لباس کی طرح ہے۔2۔جب کوئی جہان اس کے پہلو میں پرانا ہو جاتا ہے تو قرآنِ کریم اسے ایک اور نیا جہان عطا کر دیتا ہے۔یعنی وہ قرآن کے اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک نیا زمانہ ترتیب دیتا ہے۔زمانے اور زمانے کے اصولوں کی تبدیلی اس کے اختیار میں ہے۔

1۔ بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام او را نہ او کس را غلام

2۔ بندۂ حق مردِ آزاد است و بس
ملک و آئینش خداداد است و بس

3۔ رسم و راہ و دین و آئینش زحق
زشت و خوب و تلخ و نوشینش زحق

1۔ بندۂ حق (انسانِ کامل) ہر مقام سے بے نیاز ہے۔نہ تو اس کا کوئی غلام ہے اور نہ ہی وہ کسی کا غلام ہے۔2۔بندۂ حق صرف ایک آزاد مرد ہے۔اس کی حکمرانی اور آئین خدا کا عطا کردہ ہے۔3۔اس کے طور طریقے اور اس کا دین اور اس کا آئین سب خدا کی طرف سے ہیں۔اس

کا بُرا اور بھلا اور کڑوا اور میٹھا سب اللہ کی طرف سے ہے۔

1۔ مردِ حق از کس نگیرد رنگ و بو
مردِ حق از حق پذیرد رنگ و بو

2۔ ہر زماں اندر تنش جانے دگر
ہر زماں او را چو حق شانے دگر

3۔ رازہا با مردِ مومن باز گوے
شرحِ رمزِ ''کُلَّ یَوْمٍ'' باز گوے

1۔ مردِ حق (انسانِ کامل) کسی سے رنگ و بو حاصل نہیں کرتا وہ صرف اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ 2۔ ہر لمحہ اس (انسانِ کامل) کے بدن میں ایک نئی جان ہوتی ہے اور ہر لحظہ اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے۔ 3۔ تو (اے انسانِ کامل) مسلمانوں کو ان کے بھولے ہوئے راز پھر سے بتا اور ان سے ''کُلَّ یَوْمٍ'' کی رمز کی شرح بھی بیان کر۔ قرآن کی اس آیت کُلَّ یَوْمٍ ھُوَفِیْ شَاْن (سورۃ رحمٰن۔29) (ترجمہ: اس کی ہر روز ایک نئی شان ہوتی ہے) کی طرف اشارہ ہے۔

او کلیمؑ و او مسیحؑ و او خلیلؑ
او محمدؐ او کتاب او جبرئیل

ترجمہ: وہ (انسانِ کامل) ہی کلیم اللہ (موسیٰؑ) ہے مسیحؑ ہے اور خلیلؑ ہے، وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے، وہ کتاب ہے، وہ جبرائیل ہے۔

1۔ قلندراں کہ بہ تسخیر آب و گِل کوشند
زشاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

2۔ بجلوت اندو کمندے بہ مہر و ماہ پیچند
بخلوت اندو زمان و مکاں در آغوشند

1۔ قلندر (انسانِ کامل) جو اس مادی دنیا کو تسخیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ایسے عظیم انسان ہیں جو پہنتے تو گدڑی ہیں لیکن بادشاہ سے خراج وصول کرتے ہیں۔2۔جب وہ (انسانِ کامل) جلوت یا محفل میں ہوتے ہیں تو وہ سورج اور چاند پر کمند ڈالتے ہیں اور جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں تو زمان و مکاں کو آغوش میں لیے ہوتے ہیں۔جلوت میں ہونے سے مراد ہے لوگوں میں عام انسانوں کی طرح رہ کر ان کی راہنمائی کرتے ہیں۔جبکہ خلوت میں وہ محبوبِ حقیقی کے مشاہدے میں مست و محو ہوتے ہیں۔

1۔ مردِ حُر محکم ز وردِ ''لا تخف''
ما بمیدان سر بجیب، او سر بکف

2۔ مردِ حُر از ''لَآ اِلٰـہَ'' روشن ضمیر
می نہ گردد بندۂ سلطان و میر

3۔ مردِ حُر چوں اشتران بارے برد
مردِ حُر بارے برد خارے خورد

1۔ مردِ حر (انسانِ کامل) ''لا تخف[1]'' کے ورد کی بدولت (چٹان کی سی) قوت و مضبوطی پا لیتا ہے۔ہم تو دنیا کے غلام ہونے کے باعث میدان میں سر نیہوڑائے کھڑے رہتے ہیں جبکہ وہ موت سے بے خوف، سر ہتھیلی پر رکھے رہتا ہے۔اس کے لیے محبوبِ حقیقی کی خاطر جان قربان کرنے میں کوئی خوف نہیں ہوتا۔2۔مردِ حر (انسانِ کامل) ''لَآ اِلٰـہَ'' پر کامل ایمان اور عمل کے باعث سراپا توحید ہوتا ہے۔وہ کسی سلطان اور امیر کا غلام نہیں بنتا۔وہ صرف خدائے واحد اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا غلام رہتا ہے۔3۔مردِ حر (انسانِ کامل) اونٹوں کی طرح بوجھ اٹھاتا ہے اور کانٹے

---

[1] مت ڈر۔فرعون کے جادوگروں نے رسیوں میں پارہ بھر دیا۔دھوپ کی گرمی سے پارہ میں حرکت ہوئی تو وہ سانپوں کی طرح چلنے لگیں۔حضرت موسیٰؑ ڈر گئے تو اللہ نے فرمایا ''لا تخف'' یعنی مت ڈر، اور اپنا عصا زمین پر ڈال دے۔یہ سنتے ہی آپؑ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جو ایک بڑا اژدھا بن گیا اور جادوگروں کے تمام سانپوں کو نگل گیا۔

کھاتا ہے۔یعنی راہِ حق میں تکالیف، دکھ اور آزمائش برداشت کرنے والا ہوتا ہے۔

1۔ پادشاہان در قباہائے حریر
زرد رو از سہم آں عریاں فقیر

2۔ سِرّ دیں مارا خبر، او را نظر
او درونِ خانہ ما بیرونِ در

3۔ ما کلیسا دوست ما مسجد فروش!
او ز دستِ مصطفیؐ پیمانہ نوش

4۔ نے مغاں را بندہ نے ساغر بدست
ما تہی پیمانہ، او مست الست

1۔ریشمی قباؤں میں ملبوس بادشاہ اس عریاں فقیر یعنی سادہ لباس فقیر کے سامنے ڈر کے مارے زرد رو ہو جاتے ہیں۔2۔دین کے راز ہمارے لیے خبر اور اس کے لیے نظر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ہم کتابوں کی وساطت سے دین کے متعلق جانتے ہیں جبکہ وہ اللہ تعالیٰ سے دین سیکھتا ہے۔وہ مشاہدۂ حق میں محو ہوتا ہے جبکہ ہم اس سے دور اور محروم ہیں۔3۔ہم کلیسا دوست ہیں اور مسجد فروش ہیں۔مردِ حر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک سے پیالہ پینے والا ہے۔یعنی ہم تو مغربی تہذیب وتمدن کے عاشق اور فرنگیوں کے طور طریقے اپنانے والے اور دین فروش ہیں جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کی شراب پینے والا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہِ راست فیض یاب ہونے والا ہے۔4۔وہ نہ تو پیرِ مغاں کا بندہ ہے اور نہ اس کے ہاتھ میں پیالہ ہے۔ہمارا جام تو خالی ہے اور وہ مست ''الست'' ہے۔یعنی ہم عشقِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیگانہ ہیں اور وہ اس عشق کی شراب پی کر یومِ الست سے مست ہے اور یہ ایسی شراب ہے جس کے لیے کسی جام یا پیالے کی ضرورت نہیں۔

1۔ چوں فنا اندر رضائے حق شود
بندۂ مومن قضائے حق شود

2۔ در رضائے حق فنا شو چوں سلف
گوہر خود را بروں آر از صدف

1۔ جب فنا حق کی رضا کے مطابق ہو تو بندۂ مومن (انسانِ کامل) حق کی مشیت بن جاتا ہے۔ یعنی جب بندۂ مومن حق کی رضا میں فنا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی خواہش کے مطابق اس کے کام سنوارتا ہے۔ 2۔ تو بھی اپنے بزرگوں (قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں) کی طرح رضائے حق میں فنا ہو جا۔ اپنے موتی کو سیپی سے باہر لا۔ یعنی جس طرح صحابہؓ اپنی رضا کو حق کی رضا میں فنا کر کے خدا کی رضا بن گئے اور دنیا اُن کے لیے تسخیر ہو گئی، تو بھی اس طرح بن جا۔

1۔ مردِ حق باز آفریند خویش را
جز بہ نورِ حق نہ بیند خویش را

2۔ بر عیارِ مصطفیؐ خود را زند
تا جہانے دیگرے پیدا کند

1۔ مردِ حق (انسانِ کامل) خود (یعنی اپنی خودی اور باطنی وجود) کو پہلے وجود میں لاتا ہے۔ وہ جب خود کو دیکھتا ہے تو صرف نورِ حق دیکھتا ہے۔

2۔ پہلے وہ (انسانِ کامل) خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات میں فنا کرتا ہے پھر ایک نئی دنیا وجود میں لاتا ہے۔ یعنی پھر وہ جو کچھ کرتا ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریق کے مطابق کرتا ہے اور پھر وہ جو کچھ وجود میں لاتا ہے وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دنیا بن جاتی ہے۔

انسانِ کامل نہ عربی ہے نہ عجمی، نہ شرقی ہے نہ غربی، پوری کائنات اس کی ہے۔

درویشِ خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دِلّی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند

صفاہاں ۔ اصفہان

نہ چینی و عربی وہ، نہ رومی و شامی
سما سکا نہ دو عالم میں مردِ آفاقی

موجودہ پستی کے دور میں انسانِ کامل کے ظاہر نہ ہونے کی وجوہات

ذیل کے اشعار میں آپ رحمتہ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ امتِ مسلمہ صدیوں سے بانجھ پن کا شکار ہے۔ اس نے ہر شعبہ کے ماہر پیدا کیے لیکن کوئی مردِ کامل یعنی انسانِ کامل پیدا نہیں کیا۔ مردِ کامل اس لیے ظاہر نہیں ہوا کہ یہ دنیا مادیت، دولت اور ظاہر پرستی کی دنیا ہے مغربی تعلیم مادیت کے حصول پر زور دیتی ہے اور مذہبی راہنما ظاہر پرستی کی پرورش کرتے رہتے ہیں۔ اور امتِ مسلمہ کے گروہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ روحانیت، باطن یا فقر کی تلاش اور جستجو ختم ہو چکی ہے۔ چونکہ فقر اور روحانیت کا یہ خزانہ انسانِ کامل کے پاس ہے اور اب اس کی تلاش کرنے والے نہیں رہے اس لیے انسانِ کامل بھی موجودہ دور میں ظاہر نہیں ہوتا۔ آپؒ اسی زوال پر نوحہ کناں ہیں۔

آہ زاں قومے کہ از پا برفتاد
میر و سلطان زاد و درویشے نزاد

ترجمہ: افسوس ہے اس قوم پر جو پستی کا شکار ہو گئی۔ اس نے امیر و سلطان تو پیدا کیئے لیکن کوئی مرد درویش پیدا نہ کیا۔

1۔ ترسم ایں عصرے کہ تو زادی دراں
در بدن غرق است و کم داند ز جاں

2۔ چوں بدن از قحط جاں ارزاں شود
مردِ حق در خویشتن پنہاں شود

3۔ در نیابد جستجو آں مرد را
گرچہ بیند روبرو آں مرد را

4۔ تو مگر ذوقِ طلب از کف مدہ
گرچہ درکارِ تو افتد صد گرہ

1۔ مجھے اس زمانے سے، جس میں تو پیدا ہوا ہے، کچھ ڈر لگ رہا ہے، اس لیے کہ وہ بدن (مادیت) میں غرق ہے اور روح سے متعلق بے خبر ہے۔ آج کے لوگ مادیت (ظاہر) میں کھوئے ہوئے ہیں اور روح (باطن) سے نا آشنا ہیں۔ 2۔ جب بدن، روح کے قحط کے باعث سستا ہو جاتا ہے تو مردِ حق (انسانِ کامل) خود میں چھپ جاتا ہے۔ گویا (انسانِ کامل) کہیں موجود تو ہوتا ہے لیکن مادیت کے شکار لوگ اسے دیکھنے کی اہلیت سے محروم ہوتے ہیں۔ 3۔ ایسے دور میں تلاش و جستجو بھی اس (انسانِ کامل) کو نہیں پا سکتی، اگرچہ وہ اسے اپنے بالکل سامنے ہی کیوں نہ دیکھ رہے ہوں۔ یعنی مادیت کے دور میں اسے ظاہری طور پر نہیں پہچانا جا سکتا اس کی پہچان کا ذریعہ اس کا عطا کردہ اسمِ اعظم (اسمِ اَللّٰہُ ذات) ہے۔ 4۔ تاہم تو اس کی طلب کا ذوق ہاتھ سے نہ جانے دے، اگرچہ تیری راہ میں سینکڑوں الجھنیں اور مشکلیں کیوں نہ آئیں۔

❁ حسن ہو کیا خود نما جب کوئی مائل ہی نہ ہو
شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی نہ ہو

❁ اے دردِ عشق! ہے گہرِ آب دار تُو
نامحرموں میں دیکھ نہ ہو آشکار تُو

خود نما۔ خود کو ظاہر کرے۔

مائل۔ چاہنے والا، طلب کرنے والا، توجہ دینے والا۔

گہر آب دار۔ چمکدار موتی۔

نامحرموں۔ تیری قدر و قیمت سے ناواقف لوگ۔

آشکار۔ ظاہر۔

پنہاں تہِ نقاب تری جلوہ گاہ ہے
ظاہر پرست محفلِ نو کی نگاہ ہے

یہ انجمن ہے کشتۂ نظارۂ مجاز
مقصد تری نگاہ کا خلوت سرائے راز
ہر دِل مےِ خیال کی مستی سے چُور ہے
کچھ اور آج کل کے کلیموں کا طُور ہے

پھر آپ رحمتہ اللہ علیہ انسانِ کامل سے التجا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نمایاں ہو کے دِکھلا دے کبھی اِن کو جمال اپنا
بہت مدت سے چرچے ہیں ترے باریک بینوں میں

پنہاں۔چھپی ہوئی۔

تہِ نقاب۔نقاب کے نیچے۔

جلوہ گاہ۔تیرے جلووں کا مظہر انسانِ کامل۔یعنی انسانِ کامل کی بشریت کے نقاب کے پیچھے تیرا جمال وجلال چھپا ہے۔

ظاہر پرست۔صرف ظاہری جسموں کے حسن کو پوجنے والی۔

محفلِ نو۔اس نئی دنیا کے نئے لوگ۔

انجمن۔دنیا۔

کشتہ۔ماری ہوئی۔

نظارۂ مجاز۔مجازی یعنی مادی اور ظاہری حسن کے نظارہ میں محو۔

خلوت سرائے راز۔ساری دنیا سے علیحدہ اور تنہا ہو کر اللہ کا راز جاننا۔

مےِ خیال کی مستی سے چور۔اپنے اپنے خیالات اور عقائد کے نشے میں مست۔

آج کل کے کلیم۔موجودہ دور کے فلسفی اور علمائے دین۔

طُور۔اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا مقام۔یعنی آج کل کے علماء نے قربِ الٰہی کے اپنے اپنے معیار طے کیے ہوئے ہیں اور ہر کوئی صرف خود کو ہی اللہ کے قریب اور اعلیٰ درجات پر فائز سمجھ کر اس خیال میں مست ہے۔

باریک بین۔گہری نظر رکھنے والے، نورِ بصیرت سے فیض یاب۔

یہاں پر ہمارا موضوع اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اقبالؒ کا مدعا یہ ہے کہ راہِ فقر پر چلتے ہوئے جب تک آدمی ''انسانِ کامل'' کے مرتبہ پر نہیں پہنچتا وہ دنیا کی تقدیر نہیں بدل سکتا۔ خلافت کا نظام قائم کرنے کا دعویٰ کرنے والوں میں کیا کوئی ایسا مردِ کامل موجود ہے جو دوسروں کو مردِ کامل بنا رہا ہو بالکل سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اقبال کے کلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

استفادہ کتب

1۔ قرآنِ مجید

2۔ کتبِ احادیث

3۔ تفسیر روح البیان (جلداوّل) — مولانا محمد اسماعیل حقی رحمتہ اللہ علیہ — ناشر مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور
ترجمہ مولانا فیض احمد اویسی

اقبالیات

نمبر شمار	نام کتب	مترجم/شارح	سال اشاعت	ناشر/ادارہ
1	کلیاتِ اقبال اُردو	—	—	—
2	کلیاتِ اقبال فارسی	—	—	—
3	شرح کلیاتِ اقبال فارسی	مترجم وشارح پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی	—	مکتبہ دانیال لاہور
4	شرح جاوید نامہ	ڈاکٹر حمید یزدانی	2005	سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور
5	شرح پیامِ مشرق	ڈاکٹر حمید یزدانی	2004	سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور
6	شرح زبورِ عجم	ڈاکٹر حمید یزدانی	2004	سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور
7	شرح مثنوی پس چہ باید کرد مع مسافر	ڈاکٹر حمید یزدانی	2004	سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور
8	شرح ارمغانِ حجاز	ڈاکٹر حمید یزدانی	2004	سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور
9	اقبال اور قرآن	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان	1994	اقبال اکادمی پاکستان
10	اقبال اور حدیث	ڈاکٹر عبدالمقیت شاکر علیمی	2013	مکتبہ علیمی کراچی
11	ملفوظاتِ اقبالؒ	یوسف سلیم چشتی	1999	بزمِ اقبال لاہور
12	روزگارِ فقیر	فقیر سید وحید الدین	1963	مکتبہ تعمیرِ انسانیت لاہور
13	اقبال اور تصوف	پروفیسر محمد فرحان	1984	بزمِ اقبال لاہور
14	اقبال صاحبِ حال	ڈاکٹر محمد جہانگیر تمیمی	2010	ترتیب پبلیشرز فیصل آباد

15	مکتوباتِ اقبال	–	1996	اقبال اکیڈمی لاہور

مراۃ العارفین تصنیفِ لطیف سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

1	شرح مراۃ العارفین	ترجمہ وشرح: عنبرین مغیث سروری قادری (مع عربی متن)	2012	سلطانُ الفقر پبلیکیشنز لاہور

تصانیف سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ

نمبر شمار	نام کتب	مترجم/شارح	سال اشاعت	ناشر/ادارہ
1	الفتح ربانی	1) مولانا عبدالاحد قادری فیوض غوثِ یزدانی	2003	قادری رضوی کتب خانہ لاہور
		2) ترجمہ مع عربی متن	درج نہیں	نفیس اکیڈمی کراچی
		3) مولانا عاشق الٰہی مع عربی متن	2008	العارفین پبلیکیشنز لاہور
2	فتوح الغیب	سید فاروق قادری	1998	تصوف فاؤنڈیشن لاہور
3	الرسالۃ الغوثیہ	حضرت غلام دستگیر القادری مع عربی متن	1998	حضرت دستگیر اکیڈمی دربار سلطان باھو جھنگ
4	سرّ الاسرار	1) احسن علی سروری قادری مع عربی متن	فروری 2014	سلطان الفقر پبلیکیشنز لاہور
		2) سید امیر خان نیازی مع عربی متن	2003	مکتبہ العارفین لاہور

تصانیف شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ

1	فصوص الحکم	۱) شرح مولانا عبدالقدیر صدیقی	–	نذیر سنز لاہور
		۲) محمد ریاض قادری (شرح فصوص الحکم والایقان)	2006	علم وعرفان پبلیشرز لاہور
2	فتوحاتِ مکیہ (تین جلدیں)	صائم چشتی	1986	علی برادران تاجران کتب فیصل آباد

3	شجرۃ الکون	صوفی احمد صدیق بیگ قادری	1985	علی برادران تاجران کتب لاہور

تصانیف سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ

نمبر شمار	نام کتب	مترجم/شارح	سال اشاعت	ناشر/ادارہ
1	عین الفقر	۱) سیّد امیر خان نیازی مع فارسی متن	2004	العارفین پبلیکیشنز لاہور
		۲) فقیر الطاف حسین	1998	شبیر برادرز لاہور
		۳) کے۔ بی نسیم مع فارسی متن	2001	حق باھو منزل گلشن راوی لاہور
		۴) اللہ والے کی قومی دکان	–	اللہ والے کی قومی دکان کشمیری بازار لاہور
		۵) فقیر میر محمد (اُردو/فارسی)	–	سمندری تلہ گنگ ضلع چکوال
2	امیر الکونین	۱) سید امیر خان نیازی مع فارسی متن	2010	العارفین پبلیکیشنز لاہور
		۲) اللہ والے کی قومی دکان	–	کشمیری بازار لاہور
		۳) عبد الرشید شاہد القادری	1425ھ	مکتبہ سلطانیہ گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ
		۴) محمد شکیل مصطفیٰ اعوان	2007	شبیر برادرز لاہور
3	نور الہدیٰ کلاں	۱) سید امیر خان نیازی مع فارسی متن	2001	انجمن غوثیہ عزیز بر حق باھو سلطان دربار سلطان باھو جھنگ
		۲) کے۔ بی نسیم مع فارسی متن	2000	حق باھو منزل گلشن راوی لاہور
		۳) فقیر میر محمد (اُردو ترجمہ) (فارسی)	–	سمندر تلہ گنگ چکوال
		۴) فقیر نور محمد کلاچوی	–	کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان

		۵)فقیر الطاف حسین	–	شبیر برادرز لاہور
		۶)اللہ والے کی قومی دکان	–	کشمیری بازار لاہور
4	محک الفقر کلاں	۱)سید امیر خان نیازی مع فارسی متن	2006	العارفین پبلیکیشنز لاہور
		۲)فقیر میر محمد (فارسی/اُردو)	–	سمندری تلہ گنگ چکوال
		۳)کے۔بی نسیم مع فارسی متن	1996	حق باھو منزل گلشن راوی لاہور
		۴)فقیر الطاف حسین	1981	شبیر برادرز لاہور
		۵)اللہ والے کی قومی دکان	–	کشمیری بازار لاہور
5	عقلِ بیدار	۱)عبد الرشید شاہد القادری	–	مکتبہ سلطانیہ گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ
		۲)کے۔بی نسیم مع فارسی متن	2003	حق باھو منزل گلشن راوی لاہور
		۳)فقیر میر محمد مع فارسی متن	–	سمندری تلہ گنگ چکوال
		۴)اللہ والے کی قومی دکان	–	کشمیری بازار لاہور
6	قربِ دیدار	۱)محسن فقری	2004	شبیر برادرز لاہور
		۲)اللہ والے کی قومی دکان	–	کشمیری بازار لاہور
		۳)کے۔بی نسیم مع فارسی متن	–	حق باھو منزل گلشن راوی لاہور
7	اسرارِ قادری	1)اللہ والے کی قومی دکان	–	کشمیری بازار لاہور
		2)کے۔بی نسیم (مع فارسی متن)	–	حق باھو منزل گلشن راوی لاہور
		3)سید امیر خان نیازی (مع فارسی متن)	2010	العارفین پبلیکیشنز لاہور
		4)فقیر الطاف حسین	1996	شبیر برادرز لاہور

		5) محمد شریف عارف نوری	1994	پروگریسو بکس لاہور
8	رسالہ روحی شریف	مترجم مصنف کتاب ہٰذا مع فارسی متن		سلطان الفقر پبلیکیشنز لاہور

دیگر کتب

1	مثنوی مولانا جلال الدین رومی	مترجم محمد عالم امیری	2005	خدیجہ پبلیکیشنز لاہور
2	انسانِ کامل	سید عبدالکریم الجیلی رحمۃ اللہ علیہ مترجم: فضل میراں	1980	نفیس اکیڈمی کراچی
3	کیمیائے سعادت	۱) حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ مترجم: احمد شریف نقشبندی	1993	شبیر برادرز لاہور
		۲) مترجم مولانا فیض احمد اویسی		زاویہ پبلیشرز لاہور
4	شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی	محمد شفیع بلوچ	2006	مکتبہ جمال لاہور
5	روحانیت اور اسلام	کپتان واحد بخش سیال	1995	الفیصل تاجران کتب لاہور

اور بہت سی کتب جن کا حوالہ کتاب ہٰذا میں موجود ہے۔

مسلم شعراء میں علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ وہ واحد ہستی ہیں جنہیں عالمی طور پر پڑھا اور جانا جاتا ہے۔ ان کے کلام کے بیسیوں زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں جنہیں سینکڑوں یونیورسٹیوں میں بطور مضمون پڑھایا جاتا ہے۔ اقبالؒ کے کلام کی آفاقی حیثیت اس کے الہامی ہونے کی وجہ سے ہے۔ اپنے کلام میں اقبالؒ جابجا اپنے قاری کو اس حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں کہ ان کی شاعری ان کی ادبی یا علمی صلاحیتوں کی مرہونِ منت نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے قلبِ باصفا پر نازل کردہ ہے۔

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ مے خانہ

کلامِ اقبالؒ کے الہامی اور آفاقی ہونے کے سبب ہی اس میں ایسی معجزانہ وسعت پائی جاتی ہے کہ مفسرین اس میں سے ہر شعبۂ زندگی کے متعلق پہلو تلاش کر لیتے ہیں اور اس کا اطلاق مذہب وسیاست، ثقافت وتجارت، روحانیت ومعاشرت سب پر یکساں کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت بھی قابلِ غور ہے کہ الہامی ہونے کے باعث بلاشبہ اس کا اصل پہلو روحانیت اور فقر ہے۔ اقبالؒ کے کلام کا گہری نظر سے مطالعہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ وہ ایک مسلمان کو مومن اور طالبِ مولیٰ کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں اور اسے ''فقر'' کی راہ اپنا کر دیدارِ الٰہی کی منزل تک پہنچنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ افسوس آج تک اقبالؒ کے تمام تر مفسرین اور قارئین نے کلامِ اقبالؒ سے صرف ظاہری معنی ہی اخذ کیے اور اس کے اصل باطنی وروحانی پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ اس میں قصور ان کا بھی نہیں کیونکہ اقبالؒ کے قلبِ باصفا پر نازل ہونے والے کلام کی گہرائی کو سمجھنے کے لیے قلبِ باصفا کی ہی ضرورت ہے جس سے موجودہ دور کے بیشتر مسلمان محروم ہیں۔

اقبالیات کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مرشد کامل اکمل جامع نور الہدیٰ خادم سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس نے کلامِ اقبالؒ کے اصل معنوی وروحانی پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ آپ مدظلہ الاقدس نے نہایت عرق ریزی سے اقبالؒ کے اردو اور فارسی کلام کو مختلف موضوعات کے تحت اکٹھا کیا اور اس کے معنی وشرح کے ذریعے اقبالؒ کے کلام کی اصل روح کو قارئین تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ زیرِ نظر کتاب نہ صرف اقبالؒ کے شائقین کے لیے ایک نادر ونایاب تحفہ ہے جو انہیں کلامِ اقبالؒ کی حقیقت کو سمجھنے میں مدد دے گی بلکہ طالبانِ مولیٰ اور راہِ فقر کے سالکین کے لیے بھی ہر مقام ومنزل پر رہنما ثابت ہوگی۔

سلطان الفقر ہاؤس
4-5/A - ایکسٹینشن ایجوکیشن ٹاؤن وحدت روڈ ڈاکخانہ منصورہ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 54790
Tel: 042-35436600, 0322-4722766
ISBN: 978-969-9795-19-0
Rs: 300
www.sultan-ul-faqr-publications.com
E-mail: sultanulfaqr@tehreekdawatefaqr.com